ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۲۷/ مئی ۹۶ء

☆ شاہ سعود خلافت کے دوبارہ قیام سے خوف زدہ تھے : گوشۂ خلافت
☆ علامہ اقبال مصور و مفکر ہی نہیں "مبشرِ" پاکستان بھی تھے : بیابہ مجلس اقبال
☆ جوہر دادو ییف عصر حاضر کے بے مثل ہیرو ہیں : صلۂ شہید

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

اب تو مانو

چند ماہ قبل اسلام آباد میں پاک انڈیا پیپلز فورم کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا جس میں عساکر پاکستان پر توہین آمیز تنقید کے علاوہ دو قومی نظریہ کی واشگاف الفاظ میں نفی کی گئی۔ مقررین کے موقف کی منطق اور ان کا انداز گفتگو اس قدر خار دار اور دم گھٹ تھا کہ صدر مجلس ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان احتجاجاً اٹھ کر چلے گئے۔ اس جلسے کی کارروائی ایک اخبار نے تفصیل کے ساتھ اور کچھ اخبارات نے عمومی انداز میں شائع کی' تاہم مذکورہ ہرزہ سرائی کے مقابلہ میں عوام کا قابل ذکر رد عمل سامنے نہ آیا۔ غالباً اس لئے کہ اس یاوہ گوئی کی خواہ مخواہ تشہیر نہ ہو۔ مگر اس کا اثر الٹ ہوا۔ فورم نے گزشتہ ماہ پھر ویسا ہی اجتماع کیا اور پاکستان کے خلاف اپنے بغض و کینہ کو خوب اگلا۔ اس سے کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر محبوب الحق بھی دانشوری کے زعم میں دو قومی نظریے کا ابطال کر چکے تھے جسے تمام اخبارات نے واضح طور پر شائع کیا۔ اس پر تقریباً ہر جانب سے رد عمل کا اظہار ہوا۔ تنظیم اسلامی کے امیر جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے تو اسے ایک جمعہ کے اجتماع میں اپنے خطاب کا موضوع بناتے ہوئے ڈاکٹر محبوب الحق کو آڑے ہاتھوں لیا۔ انہی دنوں بعض دانشور اپنی تقاریر و تحریرات میں منطقی دلائل سے باور کرانے میں مصروف تھے کہ ہمارے مسائل کا حل اسی میں ہے کہ بھارت کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں پاکستان پہل کرے' دوستی کا ہاتھ بڑھائے اور جو تجارتی و اقتصادی سہولیات مغرب کو دے رکھی ہیں وہی سہولیات بھارت کو دے۔ ارباب حکمت کی ایسی دانش پر لوگ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ ولی خاں نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور خود پاکستان کے بارے میں اپنے دل میں بسنے والی کدورت کا علی الاعلان اظہار کر ڈالا جس پر پنجاب اسمبلی نے قرار داد مذمت پاس کی۔ البتہ مسلم لیگ کوشاں ہے کہ پنجاب اسمبلی میں حزب اقتدار مذکورہ قرار داد واپس لے لے۔ اس واقعہ کے متعلق مختلف حلقوں میں بحث جاری تھی کہ جے یو آئی (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے ولی خاں کی حمایت کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ولی خاں نے قائداعظم اور پاکستان کے بارے جو کچھ کہا درست کہا۔ مولانا مذکور کے اس رویہ نے لوگوں کو ان کی گزشتہ وضاحت سے لگا زخم پھر سے تازہ کر دیا جب انہوں نے کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔ حیرت ہے کہ وہ اسی "دار الگناہ" کی قومی اسمبلی کی امور خارجہ کمیٹی کے چیئرمین ہیں اور خوب "مزے" لوٹ رہے ہیں جن کا تذکرہ گاہے بگاہے اخبارات میں ہوتا رہتا ہے۔ غالباً وہ اسی چیئرمینی کی آڑ میں پاکستان کو ہاتھ دکھانے میں مصروف ہیں۔ لوگو ہوشیار باش! یہ بحث مباحثہ ابھی جاری تھا کہ بھارتی انتخابات کے نتائج نے عقدہ حل کر دیا۔ بھارتی متعصب اور مسلم دشمن قیادت نے ایک لمبے عرصے تک پراپیگنڈہ کرنے کے بعد بالآخر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ فرقہ پرست اور مسلم کش منشور کی حامل جماعت بی جے پی نے اپنے حلیفوں میں سنگل لارجسٹ پارٹی کی حیثیت سے ابھر کر بھارت کے منہ سے سیکولرزم کا جھوٹا نقاب ہٹا کر دو قومی نظریے کی تائید کر دی ہے۔ مکار اور عیار ہندو کو پچاس سالہ منافقانہ چالبازی کے بعد عملاً تسلیم کرنا پڑا کہ دو قومی نظریے پر مبنی جو مطالبہ مفکر پاکستان' بانی پاکستان اور اسلامیان ہند نے کیا تھا وہ حق پر مبنی تھا۔ اے ہندو نواز پاکستانیو اب تو تم بھی مانو کہ قیام پاکستان جائز ہی نہیں بلکہ ضروری تھا۔ اب تو اکھنڈ بھارت کے خوابوں کی تعبیرات بیان کرنا چھوڑ دیں۔ اب تو جس کا کھاتے ہیں اسی کے گن گایئے۔ بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے کسی حکمت عملی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آزاد کشمیر پر قبضہ کرنے کی دھمکی دے دی ہے۔ اکابرین قوم کو چاہئے کہ اس خوش فہمی میں سرشار ہونے کے بجائے کہ بی جے پی کی مخلوط حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے گی' داخلی انتشار ختم کرنے کی ٹھانیں۔○○

قیمت : ۸ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

کام نکال لے گئے وہ اہل ایمان○ جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں○

(یقیناً وہ اہل ایمان کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے جنہوں نے پیہم عمل اور محنت کے ذریعے اپنے نفس کو خواہشات و شہوات کی پستی سے نکال کر اسے رفعت کا مکیں بنا دیا۔ ایسے اصحاب ہمت کا وصف اولین یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں صرف وجود ظاہری کو ہی نہیں جھکاتے ان کی پوری شخصیت نماز میں اپنے رب کے حضور بچھ جاتی ہے اور اس طرح وہ ذات حق کے سامنے اپنی انا کی کامل نفی کر دیتے ہیں۔)

اور جو لغویات سے دور رہتے ہیں○

(ان اصحاب ایمان و یقین کا دوسرا نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ بے کار کے کاموں سے مجتنب رہتے ہیں کہ ایمان بالآخرۃ کا منطقی تقاضا بھی یہی ہے۔ اس لئے کہ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد کہ یہاں کا بویا وہاں کاٹنا ہو گا اور یہاں کی محدود ساعتوں میں کئے گئے افعال کا نتیجہ لامحدود زندگی میں ظاہر ہو کر رہے گا' ایک صاحب ایمان کے لئے محض وقت گزاری کے مشاغل کے لئے فرصت کہاں!)

جو زکوٰۃ پر عمل پیرا رہتے ہیں○

(ان کا تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے تزکیے کے لئے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں کہ دنیا کی محبت کو دل سے کھرچنے کا موثر ترین ذریعہ یہی ہے۔)

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی محافظت کرتے ہیں○ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں تو ان کے معاملے میں ان پر کوئی الزام نہیں○ البتہ جو اس سے زائد کے متلاشی ہوں سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے○

(اپنی عصمت و عفت کی حفاظت اہل ایمان کا چوتھا اہم وصف ہے۔ وہ اپنی خواہشات و شہوات کو بے لگام نہیں چھوڑ دیتے بلکہ انہی ذرائع پر قانع رہتے ہیں جو اللہ نے ان کے لئے جائز قرار دیئے ہیں۔ اور ہاں جائز راستے سے اپنے جذبہ جنسی کو تسکین دینا کسی طور قابل ملامت فعل نہیں ہے کہ یہ جذبہ مقاصد فطرت کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہی نہیں تمدن کی ساری رونق کا محور و مدار بھی ہے۔)

(المومنون' آیت ۱ تا ۷)

جوامع الکلم

کسی شخص کے اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ وہ ہر اس چیز کو ترک کر دے جو لایعنی اور بے مقصد ہے۔

(کہ اگرچہ لایعنی اور بے فائدہ مشاغل میں وقت صرف کرنا فقہ و قانون کی نگاہ میں اثم و گناہ کے درجے کو نہیں پہنچتا لیکن بندۂ مومن کے شایان شان یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ فضول اور بے کار کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتا پھرے' اسے تو انہی لمحوں اور ساعتوں کے مثبت استعمال سے اپنی عاقبت سنوارنی ہے۔ وہ غیر تعمیری سرگرمیوں اور بے کار کے کاموں میں اپنا وقت کیونکر ضائع کرے گا!)

(جامع ترمذی بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

زیرِ نظر شمارے میں حسب وعدہ قومی ترانے کے لئے "قیام" اور پرچم کو "سلام" کے عنوان سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وہ اہم تحریر شائع کر دی گئی ہے جو اس سے قبل جون ۸۲ء کے "میثاق" میں شائع ہوئی تھی۔ ہمیں خوشی ہے کہ روزنامہ "نوائے وقت" نے بھی پچھلے ہفتے اس تحریر کو من و عن شائع کر کے قارئین نوائے وقت تک امیر تنظیم کے موقف کو مناسب طور پر پہنچانے کا سامان کیا۔ امیر تنظیم کا موضوع زیرِ بحث کے بارے میں موقف کیا ہے' وہ کون سے دلائل و شواہد ہیں جن پر یہ موقف استوار ہے' یہ پوری بحث نہایت جامعیت کے ساتھ مذکورہ بالا مضمون میں سمٹ آئی ہے۔ مقصود اس کی اشاعت سے یہ ہے کہ اہل علم و دانش میں سے کوئی صاحب اب اگر اس موضوع پر کچھ قلم زنی کرنا چاہتے ہوں تو "لیھلک من ھلک عن بینہ ویحیی من حی عن بینہ" کے مصداق امیر تنظیم کے پورے موقف اور ان کے استدلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے دلائل و براہین کی بنیاد پر بات کریں۔ امیر تنظیم کی کسی بات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اسے ہدفِ تنقید بنانا اور پھبتیاں چست کر کے اپنے تئیں خوش ہو جانا ان اخباری کالم نگاروں کا شیوہ ہے جو اپنے کالم کا پیٹ بھرنے کے لئے غیر معیاری انداز اپنانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس نوع کی غیر سنجیدہ باتیں اسی قابل ہوتی ہیں کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے ---- مرکزیہ مجلس اقبال کے تحت یوم اقبال کے جلسے میں امیر تنظیم اسلامی نے جو تقریر کی تھی اسے بھی "نوائے وقت" نے پچھلے ہفتے اپنے جمعہ ایڈیشن میں نمایاں انداز میں شائع کیا۔ "ندائے خلافت" کے قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر اس تقریر کو بھی شاملِ اشاعت کیا گیا ہے ---- محاضرات قرآنی کی تصویری جھلکیاں اور محاضرات کے مرکزی مقرر باسط بلال کے پیش کردہ افکار کا خلاصہ بھی زیرِ نظر شمارے میں شامل کر دیا گیا ہے' ہمیں قوی امید ہے کہ قارئین اس شمارے کے مضامین کو مجموعی طور پر دلچسپ اور مفید پائیں گے۔

☆ ☆ ☆

یادش بخیر! کوآپریٹو سکینڈل اور بنک قرضے معاف کروا کر قوم کی دولت ہڑپ کرنے والوں کے ناموں کی فہرستوں کی اشاعت کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ اب یو۔ بی۔ ایل کا سکینڈل ایک دھماکے کی صورت میں سامنے آیا ہے اور اخبارات و جرائد میں موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ لوٹ مار کی داستانیں ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ ملت اسلامیہ پاکستان "تن ہمہ داغ داغ شد" کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ ہم نے بھی بحیثیت قوم قسم اٹھا رکھی ہے کہ کسی بھی واقعے سے سبق سیکھیں گے نہ عبرت پکڑیں گے۔ حالت یہ ہے کہ ایک طرف ماہرین معاشیات دہائی دے رہے ہیں کہ ملک اقتصادی تباہی کے کنارے کھڑا ہے تو دوسری طرف حکومت کے ایک وزیر فحاشی و عریانی کو ۲۱ ویں صدی میں داخلے کا زینہ قرار دے کر پاکستان کے عوام اور اسلام پسند طبقات کو اس بات کی تلقین فرما رہے ہیں کہ اس بڑھتی ہوئی فحاشی اور بے حیائی پر سیخ پا ہونے کی بجائے اسے برداشت کرنے کی عادت کو پختہ کرو!! ادھر یہ اشارے بھی ملے ہیں کہ امریکی مداخلت کے نتیجے میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں نے اس نظام کی افادیت پر صاد کر دیا ہے جس کی تصدیق نہ صرف محترمہ وزیر اعظم صاحبہ کے اس اعلان سے ہوتی ہے کہ موجودہ نظام تو بہرحال برقرار رہے گا بلکہ نواز شریف صاحب کے بیانات کے بین السطور بھی اسی بات کی توثیق ہوتی ہے۔ ان حالات میں بہت سی نظریں عمران خان کی طرف اٹھتی ہیں جو ایک متبادل قیادت فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ان کے بارے میں بھی ملک کے سنجیدہ حلقوں میں بہت سے خدشات پائے جاتے ہیں۔ آج کے اخبارات میں شائع ہونے والا حکیم سعید صاحب کا بیان اور جناب کے ایم اظہر کا ۱۱ مئی کا وہ پریس ریلیز جو زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے' اس امر کا واضح ثبوت ہیں۔ ایک امکان مذہبی قیادت کے ابھرنے کا تھا' لیکن مذہبی طبقات کے اپنے طرزِ عمل کے باعث مستقبل قریب کی حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ امکان اب صحرائے گماں میں گم ہو چکا ہے۔ وہ شبھ گھڑی جس کے انتظار میں آنکھیں تھک ہار کر بند ہونے کو ہیں' محض خوش فہمیوں اور خوشنما آرزوؤں کے نتیجے میں ہرگز نہیں آئے گی۔ اس کے لئے ملک میں موجودہ مخلص اور ملک و قوم اور اسلام کا درد رکھنے والوں کو ایک امیر کی زیرِ قیادت منظم کرنا ہو گا اور ایک بھرپور انقلابی جدوجہد سے گزرنا ہو گا۔ جس کے ابتدائی قدم کے طور پر قرآن حکیم کے انقلابی فکر کو بڑے پیمانے پر عام کرنا اور تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا کرنا ضروری ہو گا۔ یہ کام پیہم جدوجہد اور قربانیوں کا متقاضی ہے۔ اس کے لئے اگر ہزاروں افراد کو اپنا تن من دھن کھپانا پڑے تو بھی یہ نقصان کا سودا نہیں' ع کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۲۱

۲۷/ مئی ۹۶ء

11

ایڈیٹر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ ۔ اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون : ۳۔۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی' اومان' مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

قومی ترانے کے لئے "قیام" اور پرچم کو "سلام"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی جون ۱۹۸۲ء کی تحریر جوان کے موقف کی آئینہ دار اور زیر نظر مسئلے کی جامع توضیح پر مشتمل ہے

آج کل وطن عزیز کے طول و عرض میں قومی ترانے کے دوران احتراماً اور تعظیماً کھڑے ہونے اور قومی پرچم کو سلامی دینے کے بارے میں میری ایک رائے پر بحث چہ میگوئی بھی ہو رہی ہے اور بعض حلقوں کی جانب سے میری رائے کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس سے از خود بعض نتائج اخذ کر کے انہیں میری جانب منسوب کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ تو اگرچہ مجھے یہ توقع تو نہیں ہے کہ جو لوگ یہ کام دیدہ و دانستہ کسی مذموم مقصد کے تحت کر رہے ہیں ان کے رویئے میں میری وضاحت سے کوئی تبدیلی آئے گی، تاہم عوام الناس کو مغالطے سے بچانے کے لئے حسب ذیل وضاحتیں ضروری ہیں---!

۱۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلام دین توحید ہے اور توحید کی ضد شرک ہے۔ چنانچہ اسلام کی رو سے سب سے بڑا گناہ، سب سے بڑی معصیت اور عظیم ترین جرم شرک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہی سورت (سورۂ نسا) میں دو مرتبہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (ترجمہ) اللہ اسے تو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے البتہ اس سے کمتر گناہ جس کے لئے چاہے گا معاف فرمادے گا!" (آیت ۴۸ و ۱۱۶)

۲۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کی خیر خواہی اور اس پر شفقت و رحمت کے جذبے کے تحت نہایت باریک بینی سے ہر اس چیز پر ٹوک دیا کرتے تھے جس میں کسی ادنیٰ درجے میں بھی شرک کا شائبہ ہونے کا احتمال ہوتا تھا۔ اسی کی مثال ہے وہ واقعہ کہ ایک صحابیؓ کی زبان سے نادانستہ یہ الفاظ نکل گئے کہ "مَا شَاءَ اللّٰہُ وَمَا شِئْتَ" یعنی "جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں!" تو ظاہر ہے کہ ان صحابیؓ کے ذہن میں ادنیٰ خیال بھی شرک کا نہیں ہو سکتا تھا لیکن الفاظ بظاہر ایسے تھے جو کسی دوسرے سننے والے کے لئے غلط فہمی کی بنیاد بن سکتے تھے، لہٰذا حضورؐ نے ٹوک دیا "اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا" یعنی "کیا تم نے مجھے اللہ کا مدِ مقابل بنا دیا ہے؟" یعنی اس کائنات میں مشیت و ارادہ صرف اللہ تعالیٰ کا کار فرما ہے۔ لہٰذا صرف یہ کہنا چاہئے کہ "جو اللہ چاہے" اسی کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ آنحضورؐ اپنی تشریف آوری پر صحابہ کرامؓ کو احتراماً و تعظیماً کھڑا ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے! فصلی اللہ علیہ وسلم وفداہ آبائنا وامہاتنا!

۳۔ شرک صرف جلی ہی نہیں خفی بھی ہوتا ہے اور ظاہری ہی نہیں، معنوی بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں کسی بُت کو سجدہ کرنا ظاہر و باہر شرک ہے، جس کے مرتکب پر بغیر کسی تأمل کے مشرک ہونے کا فتویٰ لگا دیا جائے گا وہاں "زر پرستی" (یعنی یہ کیفیت کہ دولت انسان کو اتنی عزیز ہو جائے کہ اس کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دے اور حرام و حلال کی تمیز اٹھا دے) بھی یقیناً شرک ہے اگرچہ ظاہری نہیں، معنوی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا---

"تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْھَمِ" یعنی "ہلاک ہو گیا یا ہلاک ہو جائے درہم و دینار کا بندہ!" --- اسی طرح ریاکاری بھی شرک ہے جس کے ضمن میں آنحضورؐ کا حد درجہ لرزا دینے والا فرمان ہے کہ "مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ" یعنی "جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا!" "اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے"۔ آمین!

۴۔ شرک کی گمراہی ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہیں رہتی بلکہ ہر دور میں ابلیس لعین ع "نیا جال لائے پرانے شکاری" کے مصداق شرک کی نت نئی صورتیں ایجاد کر کے بندگانِ خدا کی گمراہی کا سامان پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے امتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اصحابِ بصیرت اشخاص کو اللہ تعالیٰ وہ صلاحیت عطا فرماتا ہے کہ وہ "بہر رنگے کہ خواہی

جامہ می پوش۔ من اندازِ قدرت را می شناسم!" کے مصداق شرک کی ہر نئی صورت کو پہچان کر خلقِ خدا کو متنبہ کریں اور اس سے بچنے کی تلقین کریں۔ یہ صلاحیت اگر حاصل نہ ہو تو عین ممکن ہے (اور یہ صورتحال ہر دور میں موجود رہی ہے) کہ سابقہ دور کے علماء کرام نے جن چیزوں کو شرک قرار دیا بعد کے مقلدین نے ان کو تو شرک سمجھا اور اس سے خود بھی اجتناب کیا اور خلق خدا کو بھی اجتناب کرنے کی تلقین کی، لیکن اپنے دور کے نئے شرک کو نہ پہچاننے کے باعث "شرکِ جدید" میں نادانستہ اور غیر شعوری طور پر ملوث ہو گئے!

۵۔ عہدِ حاضر کے عظیم ترین نابغۂ امت محمد اور حکیم الملت علامہ اقبال مرحوم تھے، جنہوں نے اس کیفیت کا مشاہدہ نہایت دقتِ نظر سے کیا اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ شرک اور کفر کو صرف چند ظاہری باتوں تک ہی محدود نہ سمجھو، اس کی حقیقت کا شعور حاصل کرو اور اچھی طرح جائزہ لو کہ خود ہمارے فکر و نظر میں یہ لعنت تو سرایت نہیں کر گئی، مثلاً۔

"بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟؟"

اور۔

"جو میں سربسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں؟"

اور۔

"براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!"

۶۔ عہدِ جدید کے اجتماعی فلسفوں اور عمرانی نظریوں میں ایک "نظریہ وطنیت" بھی ہے، جس پر جدید تصورِ قومیت (نیشنلزم) کی اساس قائم ہے۔ علامہ مرحوم نے چونکہ تہذیبِ حاضر کی فکری و فلسفیانہ اساسات کا گہرا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے ثمرات و نتائج کا براہ راست مشاہدہ بھی کیا تھا، بقول خود ان کے ع "کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل"! لہٰذا ان کی نگاہِ حقیقت شناس نے اس نظریہ میں شرک کی آمیزش کو بھانپ لیا اور نہایت پُرشکوہ الفاظ میں ببانگِ دہل اس کا اعلان بھی فرمایا کہ۔

"اِس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور!
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور!
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!"

اور مسلمانوں کو للکار کر دعوتِ عمل دی کہ عہدِ جدید کے اس "بہلِ اعظم" کو ایک ہی ضربِ محمودی سے پاش پاش کر دیں۔

"نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!"

مزید برآں یہ وضاحت بھی فرما دی کہ نبی اکرمؐ نے اگر وطن کی محبت کو جزوِ ایمان قرار دیا ہے تو وہاں وطن سے مراد کچھ اور ہے اور جدید عمرانی نظریات میں "وطنیت" کا مفہوم کچھ اور ہے۔ محض لفظی اشتراک سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

"گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
فرمانِ نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے!"

۷۔ علامہ مرحوم کی اس خداداد بصیرت اور ژرف نگاہی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مزید غور فرمایئے تو یہ حقیقت بادنیٰ تامل سامنے آئے گی کہ ہر معبود کے لئے ایک نماز ہوتی ہے اور ہر بت کے لئے "ڈنڈوت" کی جاتی ہے اور ہر صنم کے لئے بھجن گائے جاتے ہیں، جن میں اس معبود کی عظمت کے راگ الاپے جاتے ہیں اور اس کی تعظیم کے اظہار کے لئے قیام و سجود کے مراسم ادا کئے جاتے ہیں۔ معبودِ برحق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے بھی "نماز" ہے۔ جس میں اس کا ترانہ حمد (سورۂ فاتحہ) بھی جزوِ لاینفک کی حیثیت سے شامل ہے اور قیام و رکوع و سجود بھی ہوتا ہے ---- اسی طرح عہدِ حاضر کے مذہبِ وطنیت میں وطن کے دیوتا کے لئے بھی "قومی ترانے" ایجاد کئے گئے ہیں جن میں اس کی عظمت و تقدس کے راگ الاپے جاتے ہیں اور ان کے دوران تعظیماً کھڑے ہونے اور وطن کی عظمت کے نشان کے طور پر قومی پرچم کو سلامی دینے کے "مراسمِ عبودیت" کی طرح نو ڈالی گئی ہے --- اور بدقسمتی سے مسلمانانِ عالم کی عظیم اکثریت نے بھی مغرب سے درآمد شدہ ان تمام چیزوں کو نادانستہ اور غیر شعوری طور پر جوں کا توں اختیار کر لیا ہے۔

۸۔ روایتی علماء کی اکثریت حتیٰ کہ وہ بھی جن کا جذبۂ توحید بہت قوی ہے، چنانچہ وہ "قبر پرستی" کے خلاف بھی صبح و شام تقریریں کرتے

ہیں اور میلاد کی محفلوں میں "قیام" کو بھی شرک قرار دیتے ہیں' نہ اس شرک کو پہچان سکے' نہ اس نئے دیوتا کے مراسمِ عبودیت پر ان کی رگِ توحید پھڑک سکی۔ اس کی نشاندہی کا سہرا اس مردِ قلندر کے سر ہے جو اپنے بارے میں خود یہ کہتا ہے۔

"قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ اور کچھ نہیں رکھتا!
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا!"

اور یہ کہ

ع "اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند!"

۹۔ میرے نزدیک اس معاملے میں علامہ اقبال مرحوم کو ایک معنوی نسبت حاصل ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے جنہوں نے مغل دربار میں رائج "سجدۂ تعظیمی" میں چھپے ہوئے شرک کو پہچانا اور اس کے خلاف علماءِ سُوء کے فتووں کے علی الرغم عَلَمِ جہاد بلند کیا' بقول علامہ اقبال۔

"وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے سامنے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار!

کاش کہ جس طرح حضرت مجددؒ کے خلفاءِ کبار نے ان کے بعد ان کے مشن کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ آگے بڑھایا' علامہ مرحوم کے بھی ایسے معنوی خلفاء ہوتے جو عہدِ حاضر میں امت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہتے۔ ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم اسے اپنے اوپر اللہ کے بڑے فضل کا مظہر اور علامہ اقبال سے ایک نسبتِ معنوی کا ثمرہ سمجھتا ہے کہ اسے اس حقیقت کا مشاہدہ ہوا کہ یہ قومی ترانہ اور اس کے دوران "قیام" اور قومی پرچم کو سلام' دراصل معبودِ وطن کی "نماز" ہے جسے ہم نے مغرب کی اندھی تقلید میں نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اختیار کر لیا ہے' اور ہمیں ان چیزوں کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو علامہ مرحوم نے تجویز کیا تھا کہ۔

"اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے"

۱۰۔ فلسفہ توحید و شرک پر مبنی اس اصولی بحث سے قطع نظر اس مسئلہ کا ایک اہم پہلو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جب ہم آپؐ کی شخصیت و سیرت کی اسوۂ حسنہ اور اسوۂ کاملہ مانتے ہیں تو سوچنا چاہئے کہ کیا حضورؐ نے بھی کوئی قومی یا ملی ترانہ تلقین فرمایا تھا؟۔ اس کے بارے میں تو شاید یہ کہہ دیا جائے کہ اس زمانے میں اس کا چلن ہی نہیں تھا اور چونکہ حضورؐ سے ممانعت ثابت نہیں لہٰذا یہ مباح ہے۔ لیکن اس معاملے میں بھی غور کریں کہ "ترانوں" کا رواج اُس وقت بھی تھا' (اگرچہ قومی ترانوں کا نہیں!) چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ کا یہ "ترانہ" بھی منقول ہے کہ وہ بیک زبان یہ شعر پڑھتے تھے۔

"نَحنُ الّذین بایَعُوا محمّدا
عَلی الجهادِ ما بَقینا اَبدا"

یعنی "ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمدؐ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی ہے جب تک بھی جان میں جان ہے"۔

اور یہ بھی منقول ہے کہ صحابہؓ فرماتے تھے "اللّٰھم لاعیشَ اِلّا عیشُ الآخرۃ" یعنی اے اللہ عیش تو بس آخرت ہی کا عیش ہے" اور حضورؐ اسی بحر اور قافیے میں جواباً فرماتے تھے "فَاغفِرِ الانصارَ والمُھاجِرۃ" یعنی "اے اللہ مغفرت فرما دے انصار اور مہاجرین کی اس جماعتِ مقدسہ کی!"۔ بایں ہمہ کوئی "قومی ترانہ" حضورؐ نے امت کو نہیں دیا۔ اس سے بھی زیادہ قوی دلیل یہ ہے کہ عَلَمِ مبارک حضورؐ کا بھی تھا اور اس عَلَم کو اونچا رکھنے کی اہمیت آنحضورؐ اور اہل ایمان کے نزدیک اتنی تھی کہ غزوۂ حنین میں جب ایک عام بھگدڑ مچ گئی تو آنحضورؐ خود بنفسِ نفیس سواری سے اترے اور عَلَم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے ----- اور غزوۂ احد میں حضرت مصعب بن عمیرؓ جو صاحبِ عَلَمِ نبویؐ تھے ان کا ایک بازو کٹ گیا تو دوسرے سے عَلَم کو تھاما وہ بھی کاٹ دیا گیا تو پھر دونوں بازوؤں کے بچے کھچے حصوں کی مدد سے عَلَم کو سینے سے لگا لیا۔ لیکن گرنے نہ دیا تا آنکہ روح ہی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ----- بایں ہمہ آنحضورؐ نے کبھی عَلَم کو سلامی نہیں دی اور نہ ہی صحابہؓ سے دلوائی۔ فَافھَمُوا وَتَدَبَّرُوا!

۱۱۔ اگرچہ ہمارے نزدیک اصل دلیل کتاب اور سنتِ رسولؐ ہے تاہم اس معاملہ میں ایک مثال ہمیں سعودی عرب کی موجودہ حکومت کے طرزِ عمل سے بھی ملتی ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ان کے یہاں جھنڈے کی سلامی کا رواج ہے' یا نہیں' لیکن قومی پرچم کے ضمن میں

انہوں نے پوری دنیا میں رائج و جاری اس رواج کو اختیار نہیں کیا ہے کہ افسوس یا ماتم کے مواقع پر جھنڈا سرنگوں (HALF MAST) کر دیا جائے۔ یہ ایک مثال ہے کہ ہمیں دنیا میں مروجہ رسومات کو جوں کا توں قبول نہیں کر لینا چاہئے بلکہ اپنے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ان کا جائزہ اور تجزیہ کرنا چاہئے اور پھر "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ" کے اصول کے تحت صحیح اجزاء کو اختیار کر لینا چاہئے اور غلط کو ترک کر دینا چاہئے!

۲۔ میری رائے جن دلائل سے بنی ہے وہ اوپر درج ہو گئے۔ اس کے باوجود یہ میری رائے ہے اور میں اہلِ علم اور اصحابِ دانش سے درخواست کروں گا کہ وہ میری ان معروضات پر غور فرمائیں اور اس میں غلطی محسوس فرمائیں تو اس کی نشاندہی فرمائیں' میں ان کا مشکور ہوں گا ---- اور اگر میں قائل ہو گیا تو ان شاء اللہ کسی جھوٹی انا یا عزتِ نفس کو آڑے نہیں آنے دوں گا' بشرطیکہ دلائل کتاب و سنت سے ہوں بقول امام احمد بن حنبلؒ ! "إيتُونِي بِشَيءٍ مِن كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ حَتّٰى أَقُولَ" یعنی "لاؤ میرے پاس کوئی دلیل اللہ کی کتاب سے اور اس کے رسولؐ کی سنت سے تو میں مان لوں گا" ---- بَيِّنُوا تُؤجَرُوا!

۳۔ تاہم یہ مجھ پر بہتان ہے کہ میں نے قومی ترانے کے دوران کھڑے ہونے والوں یا قومی پرچم کو سلامی دینے والوں کو "مشرک" قرار دیا ہے۔ میری یہ بات بظاہر عجیب لگے گی کہ میں ان چیزوں میں شرک کا شائبہ تو پاتا ہوں لیکن ان کے مرتکبین کو "مشرک" قرار نہیں دیتا۔ لیکن ذرا سے تامل سے میری بات واضح ہو جائے گی۔ دیکھئے! الف با' تا بھی یقیناً علم ہی نہیں کل علم کی اساس ہے لیکن کیا الف با' تا پڑھ جانے والا "عالم" قرار دے دیا جائے گا؟ لفظ "عالم" کا اپنا ایک مفہوم (CONNOTATION) ہے۔ جب تک وہ مفہوم کسی ادنیٰ درجے میں پورا نہ ہو کسی پر عالم کا اطلاق نہیں ہو گا۔ اسی طرح کسی چیز میں شرک کا شائبہ یا آمیزش ہونا اور بات ہے اور اس کے مرتکب کو "مشرک" قرار دینا بالکل دوسری بات ہے ---- یہ منطقی مغالطے (LOGICAL FALLACIES) بڑے خوفناک ہوتے ہیں اور اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث نبویؐ سے منطقی نتیجہ اخذ کر کے کہ "مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" یعنی "جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی' وہ کافر ہو گیا" تارکِ صلوٰۃ کو کافر قرار دے دیتے ہیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ --- صحیح بات یہ ہے کہ نماز کو جان بوجھ کر چھوڑ دینے میں یقیناً شائبۂ کفر ہے۔ لیکن بقول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مستقل تارکِ صلوٰۃ بھی کافر نہیں ہوتا۔ ہاں منکرِ صلوٰۃ (یعنی جو نماز کی فرضیت ہی کا انکار کر دے) ضرور کافر ہو جاتا ہے! ---- لہٰذا میری اس رائے کو اس پر قیاس کیا جائے کہ قومی ترانے کے دوران "قیام" اور قومی پرچم کو "سلام" میں شائبۂ شرک موجود ہے ---- اگرچہ ان امور کے مرتکبین کو خصوصاً جبکہ وہ یہ سب کچھ نادانستہ اور غیر شعوری طور پر کر رہے ہوں' میں ہرگز مشرک قرار نہیں دیتا!!

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

☆ ☆ ☆

امریکی نو مسلم محمد عبد الرؤف کا امریکی پرچم اور ترانے کے احترام میں کھڑے ہونے سے انکار' اور مجلّہ "الدعوۃ" کا اس پر تبصرہ

۲۲ اپریل ۹۶ء کے "خبریں" کی خبر ہے کہ باسکٹ بال کے نو مسلم کھلاڑی عبد الرؤف نے جو ۱۹۹۱ء میں مسلمان ہوا ہے' امریکی پرچم اور ترانے کے احترام میں کھڑے ہونے اور جھک کر سلام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے رب کی حمد و ثناء کے سوا کسی کی تعریف نہیں کر سکتا۔ میرا مذہب اور میرا قرآن اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی اجازت نہیں دیتا۔ قارئین کرام! قیام' رکوع اور سجدہ یہ دوران نماز وہ حالتیں ہیں جو اللہ کے سامنے بجالائی جاتی ہیں۔ یہ حالتیں عبادت کی حالتیں ہیں اور عبادت کسی غیر کی جائز نہیں۔ نہ نبی کی' نہ ولی' نہ کسی جھنڈے کی' نہ ترانے کی اور نہ کسی ذیحق تقدس کی ---- خود اللہ کے رسولؐ نے صحابہؓ کو اس سے منع کر دیا تھا کہ جب وہ آئیں تو لوگ بادشاہوں کے احترام کی طرح ساکت کھڑے ہو جائیں۔ ہاتھ باندھ لیں۔ قیام کی حالت بنالیں جیسا کہ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں بھی ہوتا ہے کہ استاد آیا اور سب طلبا "stand up" ہو گئے۔ یہ طریقہ اسلام کے خلاف اور توحید کے منافی ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ آنے والا السلام علیکم کہے اور جماعت میں سے کوئی ایک وعلیکم السلام کہہ دے۔ استقبال کرنا ہے تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی معزز مہمان آئے تو اٹھ کر اسے مل لیا جائے یا مصافحہ کر لیا جائے یا چند قدم آگے بڑھ کر اسے مل لیا جائے تو حرج نہیں۔ یہ اللہ کے رسول سے ثابت ہے کہ جب سیدنا سعد بن معاذؓ بنو قریظہ کے محلہ میں آئے اور اللہ کے رسولؐ صحابہ کے ساتھ موجود تھے تو آپؐ نے فرمایا۔ تمہارا سردار آ رہا ہے۔ اٹھ کر استقبال کرو۔ تو یوں اٹھ کر آگے بڑھ کر استقبال کرنا جائز ہے جبکہ سٹینڈ اپ ہو کر ساکت ہو جانا' ہاتھ باندھ لینا۔ جھک جانا یہ سب غلط ہے اور شریعت کے خلاف ہے۔ امریکی نو مسلم محمد عبد الرؤف شریعت کے ان مسائل کو سمجھ گیا۔ وہ ایسا موحد بنا کہ ان افعال کو اللہ کے غیر کی عبادت کہہ رہا ہے اور اس نے باسکٹ بال کی ٹیم این بی اے کو یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے ایسا کھیل کھیلنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جس سے میرے عقیدے پر حرف آئے۔ اسے ایک میچ کے تیس ہزار ڈالر (ایک کروڑ اسی لاکھ روپے) ملتے تھے۔ مگر عبد الرؤف نے کہا' یہ میچ تو کیا میں اپنے عقیدہ کے لئے اپنا سارا کیریئر ہی ختم کرنے پر تیار ہوں۔ چنانچہ این بی اے نے عبد الرؤف کا یہ سخت موقف دیکھا تو اس نے عبد الرؤف کو بڑی مشکل سے اس پر راضی کیا کہ جب ترانہ ہو تو وہ کھڑا ہو کر اپنے مذہب کے مطابق دعا کر لیا کرے۔ چنانچہ عبد الرؤف نے کہا' میں کھڑا ہو کر اپنے رب کے حضور دونوں ہاتھ اٹھا کر عالم اسلام کی بہتری کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ چنانچہ این بی اے والے اس پر راضی ہو گئے۔

(مجلّہ الدعوۃ لاہور' مئی ۹۶ء)

قومی پرچم' قومی ترانہ اور شریعت

تحریر : محمد الفضاد' گجرات

جمعہ ۲۶/اپریل کو یوم اقبال کے جلسے میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ترانے کے احترام میں کھڑا نہ ہونا بہت سے لوگوں کے لئے بالخصوص جلسے کے شرکاء اور نوائے وقت کے قارئین کے ذہنوں میں ایک سوالیہ نشان چھوڑ گیا کہ اس کے صفحہ اول پر وہ تصویر نمایاں انداز میں شائع ہوئی تھی جس میں جلسے کے سٹیج پر موجود تمام زعماء کھڑے نظر آ رہے تھے اور امیر تنظیم اپنی نشست پر بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ اس سے اگلے جمعے کے اجتماع میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے طرز عمل کی وضاحت میں اپنا موقف پیش کیا تو بعض اخبارات نے اسے بحث و نزاع کا موضوع بنا کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے خلاف پروپیگنڈا مہم کی اس بہتی گنگا میں بعض علماء کرام نے بھی اپنے ہاتھ دھونا ضروری خیال کیا مگر بعض علماء نے محتاط بیانات بھی دیئے لیکن اس کی تائید میں کسی نمایاں عالم دین کا کوئی بیان اخبارات میں شائع نہیں ہوا۔ اگر کسی نے محترم ڈاکٹر صاحب کی تائید میں کوئی مراسلہ یا مضمون بھیجا بھی تو اخبارات نے اسے شائع نہیں کیا۔ گزشتہ ہفتے کے دوران ہمیں جمعیت اشاعت التوحید والسنہ گجرات کے جناب محمد الفضاد صاحب کی طرف سے ایک تائیدی مضمون موصول ہوا ہے جسے ہم ذیل میں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ مزید برآں ڈاکٹر عبید الرحمٰن صاحب نے بھی ایک مختصر تائیدی مضمون کی نقل ہمیں ارسال کی ہے جو انہوں نے فی الاصل اخبارات کے مدیران کے نام ارسال کیا تھا لیکن تاہنوز اخبارات میں جگہ پانے میں ناکام رہا۔ اسے بھی زیر نظر اشاعت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ (ادارہ)

یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جس جگہ رہتا ہے اس سے مانوس ہو جاتا ہے اسی لئے شریعت نے وطن سے محبت پر کوئی قدغن نہیں لگائی بلکہ جن صورتوں میں جہاد فرض ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب طاغوتی طاقتیں کسی اسلامی ملک پر حملہ کر دیں تو مسلمان ارض پاک کے چپے چپے کے تحفظ کے لئے کفن بردوش' سربکف میدان کارزار میں کود پڑتا ہے۔ وہ کٹ کٹ کے مرتا اور مر مر کے کٹتا ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو مجرم قرار پاتا ہے لیکن اگر وطن سے محبت حدود سے تجاوز کر جائے تو ایمان میں خلل آنے لگتا ہے۔ وطنیت پرستی بلاشبہ شرک ہے۔ سچ کہا تھا علامہ اقبال نے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

انسان وطن کی محبت میں غلو کرنے لگے تو عقیدۂ توحید متزلزل ہونے لگتا ہے اور عقیدہ میں بگاڑ سے فسادات کی آگ بھڑکنے لگتی ہے۔ لسانی اور علاقائی اختلافات سر اٹھاتے اور ملت کا شیرازہ بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے اسلام مغربی قومیت کی حدبندیوں میں رہ کر اپنا اپنا تشخص اپنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ خوب کہا تھا اقبال مرحوم نے۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اسلام صوبہ' ملک' برصغیر یا براعظم کی حدود و قیود میں محدود ہو کر رہنے کے لئے نہیں آیا یہ تمام جغرافیائی حدود کو پھلانگ کر پوری کائنات پر چھا جانے کا مزاج رکھتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا منبع قرآن کریم کسی ایک قوم' ملک یا زمانہ کے لئے نہیں اتارا گیا بلکہ یہ هُدًى لِلنَّاس (تمام انسانوں کے لئے ہدایت) ہے کہ بنی آدم کا ہر فرد خواہ وہ گورا ہو یا کالا' امیر ہو یا غریب' عربی ہو یا عجمی' چھوٹا ہو یا بڑا' شاہ ہو یا گدا' ہر لحظہ اور ہر دم اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی ایک کنبے' قبیلے یا علاقے کے لئے مقتدا اور پیشوا کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ كَافَّةً لِلنَّاس (ساری انسانیت کی رہبری کے لئے کافی) ہیں دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے قیامت تک کے انسانوں کو سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کامل کی اتباع کر کے ہی رب رحمٰن کو راضی کرنا ہو گا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسی طرح اسلام جس قبلہ کی طرف انسانوں کو متوجہ کرتا ہے وہ قبلہ بھی کسی خاص ملک یا قوم کا نہیں بلکہ وُضِعَ لِلنَّاس (سارے لوگوں کے لئے بنایا گیا) ہے ساری انسانیت کا قبلہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام عالمگیر دین ہے یہ عالمی سطح پر اخوت اور برادری کی سوچ پیدا کرتا ہے اسلام کے پیروکار افریقہ کے باشندے ہوں یا امریکہ کے' اسلام کے نام لیوا عربی بولتے ہوں یا فارسی' ان کی زبان چینی ہو یا فرانسیسی' وہ گورے ہوں یا کالے' سب ایک گھرانے کے افراد ہیں جیسے ذات پاک کو وہ کوئی حیثیت نہیں دیتے' کنبوں اور قبیلوں کی تقسیم کو محض شناخت اور پہچان کا ذریعہ سمجھتے ہیں بعینہ وہ علاقائی تقسیم کو آپس کی محبت میں رخنہ اندازی کا موقع نہیں دیتے۔

دنیا میں جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر قوموں کا جو مغربی تصور فروغ پا رہا تھا قومی زبانیں قومی پرچم اور قومی لباس اسی کا جزو ہیں۔ اسلام میں قومی زبان کا کوئی تصور نہیں اگر ہوتا تو اسلام اپنے پیروکاروں کے لئے عربی زبان لازمی قرار دیتا کہ جس میں نہ صرف ہمارا بہت سا علمی ورثہ موجود ہے' نہ صرف یہ کہ وہ اہل جنت کی زبان ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ قرآن اور صاحب قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے۔ جب عربی میں گفتگو لازمی نہیں تو اور کسی زبان کو ضرور اپنانے کے لئے مسلمانوں کو کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگوں میں پرچم استعمال فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پرچم کو بلند رکھنے کے لئے بے مثال قربانیاں دیں لیکن اس لئے نہیں کہ وہ ان کے دیس کا پرچم تھا بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے نظریات کی علامت تھا۔ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ صحابہ رسول کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا تو اس نے بائیں ہاتھ سے پرچم تھام لیا بایاں بازو کاٹ دیا گیا تو اس نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے سنبھال لیا جب اسے شہید کیا گیا تو کسی اور صحابی نے آگے بڑھ کر پرچم تھام لیا' اسے گرنے نہیں دیا لیکن ساری تاریخ اسلام میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملے گا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے ایک لاکھ سے

گرامی قدر ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ عافیت مطلوب

یوم اقبال کی تقریب میں قومی ترانے کے لئے آپ کے کھڑا نہ ہونے پر آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے ایک رسم کو توڑ کر بہت سے دیگر احباب کو بھی غور و فکر کی دعوت دی ہے آپ کے اس عمل پر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے نام نہاد محبان وطن نے جو طوفان اٹھایا ہے اس کے خلاف احتجاج کے طور پر چند سطور لکھ دی ہیں۔ ماہنامہ میثاق میں ان سطور کی اشاعت کا اگر اہتمام فرمادیں تو راقم آپ کا ممنون ہو گا۔ والسلام

محمد الفضاد

مدیر ماہنامہ نغمہ توحید' گجرات

زائد صحابہ میں سے کسی ایک نے ہی کسی دور میں پرچم کو سلامی دی ہو۔ چنانچہ پرچم کو سلامی دینا شعائر اسلام سے نہیں بلکہ ایک رسم ہے اسی طرح کسی ایک ملک کے ترانے کی دھن بجنے پر کھڑا ہو جانا قرآن و سنت کی تعلیمات سے تو ثابت نہیں اگر کوئی ترانے کی آواز پر کھڑا ہونے میں ثواب جانے تو یقیناً یہ بدعت ہوگی اور اس کا رد اہل حق کو کرنا پڑے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے یوم اقبال کی تقریب میں ترانے کے دوران کھڑے نہ ہو کر کسی فرض، واجب یا سنت کو ترک نہیں کیا انہوں نے زیادہ سے زیادہ ایک رسم کو نبھانے سے انکار کیا ہے۔ مومن تو ویسے بھی رسموں کا نہیں نبی کی سنتوں کا پابند ہوتا ہے۔

یوم اقبال کی اس تقریب کے حوالے سے روزنامہ نوائے وقت میں جو تصویر شائع ہوئی ہے اس میں ترانے کے دوران ڈاکٹر اسرار احمد کو بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف پر تنقید کے لئے تو گونگوں کو بھی زبان مل گئی۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی تعلیم کے عین مطابق دن میں پانچ دفعہ مساجد کے میناروں سے گونجنے والی آواز حی علی الصلوۃ پر فوراً مسجد کی طرف گامزن ہونا تو کجا بستر پر لیٹے لیٹے کروٹ تک بدلنے کے روادار نہیں وہ قومی ترانے کے لئے نہ اٹھنے پر آسمان سر پر اٹھا رہے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تعجب ہوتا ہے ان علماء کے بیان پڑھ کر جو ڈاکٹر صاحب سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ قومی ترانے کے احترام میں کھڑا ہونے کے شرک ہونے پر شرعی دلائل پیش کریں۔ اس میں کیا شک ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو پکارنا، کسی کی نذر و نیاز دینا، کسی کو عالم الغیب ماننا، حاضر و ناظر اور حاجت روا مشکل کشا سمجھنا صریح شرک ہے اور پورا قرآن اس حقیقت کے دلائل سے بھرا ہوا ہے اس کے باوجود جو لوگ انبیاء و اولیاء کو مافوق الاسباب پکارتے اور ان کے نام کی نذریں دیتے نہیں تھکتے وہ قومی ترانے کے احترام میں کھڑا ہونے کے "شرک" کے ثبوت چاہتے ہیں۔ ہم ان صفحات پر ڈاکٹر اسرار احمد کی وکالت نہیں کرنا چاہتے لیکن علماء سے یہ مطالبہ ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر اسرار احمد سے قومی ترانے کے احترام میں کھڑا نہ ہونے کے دلائل طلب کرنے کے بجائے خود قومی ترانے کی دھن بجنے پر کھڑا ہونے کے دلائل قرآن و سنت اور فقہاء کرام و مجتہدین کے اقوال سے پیش کریں۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا تو اے علماء کرام و مفتیان دین! لیڈری چمکانے کے لئے خواہ مخواہ بیان بازی نہ کریں۔ کوئی تو سچی بات مان لیں۔

اسلامی معیار احترام اور ہم

ڈاکٹر عبید الرحمٰن چوہدری

حال ہی میں ایک تقریب میں قومی ترانے کے دوران احتراماً اور تعظیماً نہ کھڑے ہونے اور قومی پرچم کو سلامی دینے کے بارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اظہار رائے پر ان کے تعاقب میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں اور اخبارات میں تبصرے بھی۔ چند مولوی صاحبان نے تو انہیں مناظرے کا چیلنج بھی دے دیا۔ یہی نہیں بلکہ نوائے وقت جیسے سنجیدہ روزنامہ نے جوش احترام میں بلا تحقیق ایک تعاقبی اداریہ لکھ دیا۔ اس پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی مدلل وضاحت کر دی جسے قارئین نے نوائے وقت مورخہ ۹ اپریل ۹۶ء میں "قومی ترانے کے لئے قیام اور پرچم کو سلام" کے زیر عنوان پڑھ ہی لیا ہوگا۔ غیر جانبداری کے ساتھ اس کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنے سے ان کے نقطہ نظر کی معقولیت عیاں ہو جاتی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ نوائے وقت کے اسی شمارے میں جناب بشیر حسین صاحب کا "کمپنی کی مشہوری اور ڈاکٹر اسرار" کے عنوان سے ایک کالم (ٹیبل ٹاک) بھی شامل ہے جس میں ذاتیات پر چرکے لگانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ایسے معاملات میں فیصلہ تو علماء حق کو ہی کرنا ہوتا ہے تاہم ناچیز بھی کچھ عرض کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جناب بشیر حسین صاحب نے ازراہ تمسخر لکھا ہے کہ "اگر ترانے کا احترام اور کھڑے ہونا شرک ہے تو یا حضرت آپ (ڈاکٹر اسرار صاحب) پچاس سال تک کیوں چپ رہے۔ آپ نے قوم کو اپنے "یکایک الہامی علم" سے کیوں نہیں نوازا اور قوم کو جاہل رکھنے کے لئے آپ نے یہ کلیہ عوام سے کیوں مخفی رکھا"۔

مجھے اس خانہ ساز منطق کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ اگر بشیر صاحب حدیث نبوی پر یقین رکھتے ہوں تو انہیں دعوت دیتا ہوں کہ مشکوۃ شریف کے باب القیام کی دوسری فصل پڑھے۔ مفہوم درج ذیل ہے۔

۱۔ بحوالہ ترمذی: صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے مگر جس وقت وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند نہ تھی۔

۲۔ بحوالہ ترمذی ۔ ابوداؤد: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو پسند لگے کہ لوگ اس کے آگے کھڑے رہیں پس وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں پائے۔

۳۔ بحوالہ ابوداؤد: ابوامامہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصاء پر تکیہ کئے ہوئے تشریف لائے۔ پس ہم آپ کے واسطے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ نہ کھڑے ہوں جیسے کھڑے ہوتے ہیں عجمی تعظیم کرنے بعض کی ان کا بعض۔

۴۔ بحوالہ ابوداؤد: سعید بن الحسن کا بیان ہے کہ ہمارے پاس ایک شہادت دینے کے لئے حضرت ابوبکرہؓ تشریف لائے ایک شخص ان کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا مگر حضرت ابوبکرہؓ نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آمدم مقصد کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ دین کا علم (کم از کم روز مرہ کے پیش آمدہ مسائل کا) حاصل کرے۔ بشیر صاحب تو پچاس سال کی بات کرتے ہیں حالانکہ چودہ سو سال کا عرصہ گزر گیا اور محولہ بالا مجالس میں طریق احترام کے معاملے میں باوجود مبلغین کے عیاں کرنے کے، اکثر لوگ دین کی تعلیمات سے منحرف ہی رہے۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ مانا وہ ڈاکٹر اسرار صاحب کی کیا مانے گا؟ احترام کا معیار یہ نہیں کہ ترانہ پڑھا جائے تو کھڑے ہو جاؤ یا پرچم کو سلامی دو۔ اصل احترام تو یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور ثقافت کو اپنایا جائے۔ ہمارے ہاں اگرچہ عدالت میں جسٹس کی آمد پر حاضرین کے کھڑے ہو جانے کا طریق حکومت نے ہی رائج کیا ہوا ہے مگر اس کا فیصلہ دل سے تسلیم نہیں کرتی۔ رسول اللہ ﷺ کا احترام انکی تشریف آوری پر اجتماعی کھڑے ہونا نہیں بلکہ ان کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کرنا اصل احترام ہے، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ مومن ہی نہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اعلیٰ اور ارفع آئین تو قرآن مجید ہی ہے، جب اس کی تلاوت ٹی وی، ریڈیو یا لاؤڈ سپیکر پر کی جاتی ہے یا وہ کتاب سامنے ہوتی ہے تو کوئی شخص بھی احتراماً نہ تو سلامی دیتا ہے نہ کھڑا ہوتا ہے۔ اس گئے گزرے زمانے میں دنیا کی لاکھوں مسجدوں میں روزانہ پانچ اوقات باقاعدگی سے ازان دی جاتی ہے تو توحید کا ترانہ ہی تو ہے۔ اس ترانے کے دوران احتراماً کوئی کھڑا ہوتا ہے نہ کوئی موذن کو سلامی دیتا ہے بلکہ معاملہ کی روح کو سمجھ کر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس طریق کار پر کبھی کسی نے کسی پر سوء ادب کا فتویٰ نہیں لگایا۔

بہرحال میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس پر آشوب دور میں اس مسئلے میں پوری جرات کے ساتھ دین کی اصل تعلیمات کو اجاگر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ وما علینا الا البلاغ

شاہ سعود خلافت کے دوبارہ قیام سے خوفزدہ تھے

اللہ نے ہر معاشرے میں دو چیزیں بھیجی ہیں : ایک شریعت اور دوسرا منہاج

مسلمانوں نے کبھی یہ سوچا تک نہ تھا کہ خلافت کے علاوہ بھی کوئی نظام ان کے لئے ہو سکتا ہے!

تحریر : عمران ابن حسین اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

باب چہارم

خلافت کانفرنس۔ قاہرہ مئی ۱۹۲۶ء

ایجنڈا

مئی ۱۹۲۶ء میں قاہرہ میں ہونے والی کانفرنس میں مندرجہ ذیل امور پر غور کیا گیا :

۱ ۔ خلافت کی تشریح اور خلیفہ کے مطلوبہ اوصاف
۲ ۔ کیا اسلام میں خلافت ضروری ہے؟
۳ ۔ خلافت کے انعقاد کا طریقہ کار؟
۴ ۔ کیا اس وقت ایسی خلافت قائم کی جا سکتی ہے جو شریعت کے تمام تقاضے پورے کرے؟
۵ ۔ اگر نہیں تو کیا اقدام ہونا چاہئے؟
۶ ۔ اگر کانگریس خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ کرے تو اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیا کرنا ہو گا؟

وفود

کانگریس میں شرکت کے لئے مصر' لیبیا' تیونس' مراکو' جنوبی افریقہ' ڈچ ایسٹ انڈیز (اب انڈونیشیا)' یمن' حجاز (اب سعودی عربیہ)' فلسطین' عراق اور پولینڈ سے وفد آئے۔ بہت سے اہم اسلامی ممالک اور دیگر مسلمانوں کے نمائندوں کی عدم شمولیت نمایاں طور پر محسوس کی گئی' مثلاً ترکی' فارس (اب ایران)' افغانستان' نجد (جو اب سعودی عرب میں شامل ہے) اور روس' چین اور ہندوستان سے مسلمانوں کے نمائندے۔

ترکی نے معذرت کرتے ہوئے کورا جواب دے دیا کہ ہمیں خلافت کا کوئی مسئلہ نہیں۔ فارس کو جو ایک شیعہ ملک تھا سنی خلیفہ سے ویسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ روس' چین اور ہندوستان کے مسلمانوں نے جن کی حیثیت ایک غیر اسلامی ملک میں اقلیت کی تھی مشترک رویہ اپنایا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ محض ایک علمی نوعیت کا اجتماع ہے' نہ تو کسی کے پاس کوئی اختیار ہے اور نہ ہی ان سے انہیں کوئی قابل ذکر مدد اور تحفظ حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اصل وجہ یہ تھی کہ اس کے مقابلے میں عبدالعزیز ابن سعود نے جو کانفرنس طلب کی تھی ان کے نزدیک اصل اہمیت اس کی تھی جبکہ حقیقت یہ تھی کہ شاہ سعود خود خلافت کے دوبارہ قائم ہونے سے خوفزدہ تھے کیونکہ ان کے پیش نظر مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر اقتدار کا مقصد اپنی بادشاہت قائم کرنا تھا۔

بہرحال قاہرہ میں جو نمائندے جمع ہوئے۔ انہوں نے سنوسی سلسلے کے السید ادریس السنوسی کو برکہ اور تریپولی کا امیر نامزد کر لیا اس لئے کہ کانفرنس کے شرکاء کو یہ تاثر دلایا گیا کہ ان کے خلیفہ منتخب ہونے کے بہت زیادہ امکانات ہوں گے۔ کانفرنس کے ۱۳' ۱۵' ۱۸ اور ۱۹ مئی ۱۹۲۶ء کو کل چار اجلاس ہوئے۔ پہلے روز کے اجلاس میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کا کام مختلف تجاویز کا جائزہ لے کر انہیں کانگریس کے سامنے پیش کرنا تھا چنانچہ کمیٹی نے فوراً ہی یہ تجویز سامنے رکھی کہ کانگریس کی کارروائی راز میں رکھی جائے مگر یہ تجویز چوتھے اجلاس عام میں رد کر دی گئی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کا سارا ریکارڈ آج حرف بحرف ہمیں دستیاب ہے۔ دوسری اور تیسری کمیٹی کا تقرر دوسرے عام اجلاس میں کیا گیا۔ دوسری کمیٹی کے ذمے ایجنڈا کی شق نمبر ۱' ۲' ۳ اور تیسری کمیٹی کے ذمے شق نمبر ۴' ۵' ۶ کا جائزہ لینا تھا چنانچہ کانگریس کی ساری کارروائی انہی دو کمیٹیوں کی رپورٹوں اور ان پر بحث مباحثہ اور ان کے بارے میں فیصلوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اب ہم ان رپورٹوں کے تجزیے کی جانب آتے ہیں۔

کمیٹی نمبر ۲

خلافت کی تشریح کے ضمن میں کمیٹی نے الماوردی' ابن خلدون اور ایسے ہی دوسرے سکالرز کی تحریروں کو بنیاد بنایا۔ انہوں نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ خلیفہ کا اقتدار دنیاوی اور مذہبی دونوں شعبوں پر ہونا لازم ہے۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ ایک وقت میں ایک ہی خلیفہ ہونا ضروری ہے کیونکہ دوسری باتوں کے علاوہ خلافت کا ایک مقصد وحدت امت بھی ہے۔

کمیٹی کے سامنے دوسرا سوال (کیا اسلام اور خلافت لازم و ملزوم ہیں) بہت حد تک غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر اس وقت تک اسلام کی پوری تاریخ میں سنی مسلمانوں کے نزدیک خلافت کو بہت مرکزی اہمیت حاصل رہی تھی' یہی نہیں بلکہ اس دوران میں مسلمانوں نے کبھی یہ سوچا تک نہ تھا کہ خلافت کے علاوہ بھی کوئی صورتحال پیش آ سکتی ہے لہٰذا کسی مسلمان کا یہ رائے دینا کہ خلافت کا کوئی متبادل بھی ہو سکتا ہے اپنے آپ کو بدعتی شمار کرانا تھا لیکن دوسری طرف احوال واقعی کے اعتبار سے ایک شخص' ترکی کے مصطفیٰ کمال نے بیک جنبش قلم خلافت کو ختم کر

> "واقعہ یہی ہے کہ پوری تاریخ اسلامی میں عام مسلمانوں کو اوپر کے اس حق سے ہمیشہ محروم رکھا گیا۔ ان سے تو جب خلیفہ بن جاتا تو بعد میں شہر کی شوریٰ میں ہی کرا لی جاتی"

کے مسلمانوں کو ایسی صورتحال سے دوچار کر دیا تھا کہ فی الواقع خلافت کا وجود دنیا میں باقی نہ رہا تھا۔ یہ تھے وہ حالات جن کی موجودگی میں کانگریس کو اس سوال پر غور کرنا تھا کہ کیا خلافت اور اسلام لازم و ملزوم ہیں؟ غالباً اس سے زیادہ اہم سوال مسلمانوں کی پوری تاریخ میں سامنے نہیں آیا تھا جس کا جواب امت کے زعماء کو دینا پڑا ہو چنانچہ کمیٹی کے پاس سوائے اس کے اور کوئی جواب نہ تھا کہ خلافت کے بغیر اسلام کا کوئی تصور نہیں' لیکن اسلام کا یہ ایک ایسا جزو ہے جسے عین اس موقعہ پر اور اسی وقت عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ بالالفاظ دیگر یہ ایک دینی فریضہ ہے جو کم از کم اس وقت مسلمان ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن یہ اس سوال کا کوئی مناسب جواب نہ تھا' اللہ تعالیٰ جو ہر شے کا جاننے والا ہے اپنے بندوں کے سپرد ایسی ذمہ داری کیوں کرے گا جو پوری کرنا ان کے بس میں نہ ہو۔

یا تو یہ کہیں کہ اسلام کی رو سے خلافت کا وجود لازم نہیں ہے اور یا پھر یہ کہ ہے تو لازم مگر ہم سے یہ قائم نہیں ہو سکی جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام مسلمان گنہگار ہیں اور آخرت میں سزا کے مستوجب ہوں گے۔

"الازہر کے علماء جدید ریاستی ڈھانچے سے سرے سے نابلد تھے چنانچہ اگر وہ اپنا مجوزہ نظام عالم اسلام پر نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو مسلمان ایک دفعہ پھر بالفعل غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے"

تیسرے سوال (خلافت قائم کیسے ہو؟) کے جواب میں کمیٹی نے یہ جواب دیا :

--- خلیفہ وقت کی جانب سے نامزدگی کے ذریعے

--- بارسوخ مسلمانوں کی طرف سے تقرر کے ذریعے۔ یعنی ایسے اشخاص جنہیں عوام مانتے ہوں' مثلاً علماء' امراء اور دوسرے ممتاز صاحب الرائے اشخاص باہم مشورے سے خلیفہ کا تقرر کر سکتے ہیں۔

--- ایک مسلمان فاتح کی حیثیت سے خلیفہ کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے خواہ وہ دوسری شرائط پوری نہ بھی کرتا ہو۔

کمیٹی نمبر ۲ کی اس رپورٹ پر عراقی وفد کے ایک رکن' تیونسی پروفیسر عبدالعزیز آفندی اور مصر کے وفد کے سربراہ شیخ محمد الاحمدی الزواہری کے درمیان ایک نہایت اہم اور دلچسپ بحث چھڑ گئی جس کا موضوع تھا۔ اسلام کے نظریاتی اصول اور اجتہاد کی ضرورت۔

آفندی : "اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ خلافت کے مسئلے کا حل انتہائی اہم ہی نہیں مشکل بھی ہے اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ کانگریس کو اگلے سال تک ملتوی کر دیا جائے تاکہ ہم اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لے سکیں۔ محض نظری اعتبار سے مسئلے کا حل تلاش کرنے سے بات نہیں بنے گی' موجودہ حالات اور خاص کر اسلامی اداروں پر بیرونی اثرات کو بھی ایک حد تک پیش نظر رکھنا پڑے گا"۔

شیخ الزواہری : "ہمارے سامنے جو نظریاتی سوالات آئے ہیں ان کا جائزہ لینے کا وقت ہمیں اجتہاد کا سہارا لے کر کوئی نیا نظریہ سامنے نہیں لانا چاہئے ہمیں اپنے آپ کو اسلام کے مسلمہ اصولوں کا پابند رکھنا چاہئے۔ جہاں تک ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کا تعلق ہے تو یہ آپ پر منحصر ہے' آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے بس سے باہر ہے"۔

آفندی : "میں نہ تو کوئی نیا اصول وضع کرنے کے حق میں ہوں اور نہ ہی اجتہاد کی دلالت کر رہا ہوں' میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ ان اصولوں کی تائید کرتے ہیں جن پر عمل درآمد ہمارے اختیار میں نہیں ہے تو اس کا حاصل کیا ہو گا"۔

شیخ الزواہری : شریعت کے حوالے سے یہ سوال اٹھانا کہ وہ ایک وقت میں قابل عمل ہے اور ایک دوسرے وقت میں قابل عمل نہیں ہے' اسلام کے لئے خطرناک ہے۔ ہمارے نزدیک شریعت کے عام اصولوں کے اطلاق میں کوئی استثناء نہیں ہے اور حالات یا وقت کے تقاضے کچھ بھی ہوں ان اصولوں میں ترمیم یا تجدید کی کوئی گنجائش نہیں"۔

بلاشبہ شیخ الزواہری یہ کہنے میں پوری طرح حق بجانب تھے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قوانین میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی خواہ حالات اور وقت کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت اپنی اصل شکل میں برقرار رہے گی چاہے مسلمانوں کے لئے ایک خاص وقت میں اس پر عمل درآمد کرنا ممکن ہو یا نہ ہو۔ تاہم آفندی کا یہ سوال بہت اہم تھا جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا' یعنی یہ کہ اگر ہم اس وقت سیاسی سطح پر شریعت نافذ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ اصل میں الزواہری اور آفندی دونوں کے نکتہ نگاہ میں ایک بنیادی خامی تھی۔ وہ قرآن کے اس واضح بیان کی طرف توجہ دینے سے قاصر رہے کہ اللہ نے ہر معاشرے میں دو چیزیں بھیجی ہیں۔ ایک شریعت اور دوسرے منہاج (ایک کھلا راستہ)۔ چنانچہ ان ابدی قوانین کے علاوہ جن میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی اور جن کی الزواہری کے مطابق پیروی ہم پر ہر حال میں لازم ہے' ایک منہاج بھی موجود ہے جس میں یہ لچک موجود ہے کہ غیر معمولی ذہانت کے حامل افراد بدلتے ہوئے حالات کے تحت قوانین اخذ کر سکیں۔

بنیادی مسئلہ جس کی نشاندہی کرنے میں کمیٹی نمبر ۲ اور کانگریس کے ارکان ناکام رہے اور نتیجتاً یہ کانگریس ناکام ثابت ہوئی' خلافت کی روایتی حیثیت سے ہٹ کر نئے سرے سے اس کا جائزہ لینے کا تھا۔ نظری طور پر خلافت سے مراد اسلامی نظام قیادت ہے چنانچہ مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے قرآن مجید میں اس کا یوں ذکر آیا ہے :

"اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اللہ کے) رسول کی اور اطاعت کرو ان کی جو تم میں اولوالامر قرار پائیں"۔ (۴:۵۹)

یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ قرآن صیغہ واحد میں کسی ایک شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا بلکہ "ان" اصحاب اقتدار کی اطاعت کا حکم دیتا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امت میں ایک سے زائد اصحاب اقتدار ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں کہیں یہ نہیں آیا کہ پوری امت کی قیادت لازماً ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہو (اور اسے خلیفہ کا ہی نام دیا جائے) البتہ امت پر سارے مسلمانوں کے لئے اقتدار کسی ایک شخص کے سپرد کرنے پر کوئی پابندی بھی نہیں لیکن قرآن کی رو سے ایسے سیاسی نظام میں عوام کے اتفاق رائے کو بہرحال بنیادی حیثیت حاصل ہو گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کے ابتدائی دور میں امت کے نزدیک ایک شخص کے ہاتھ میں زمام اقتدار دینا ضروری خیال کیا گیا' وحدت اسلامی کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ قیادت قریش کے اندر رہے' تاہم یہ سلسلہ صرف ایک صدی تک جاری رہ سکا جس کے بعد بیک وقت ایک سے زائد حکمران برسراقتدار رہے

اور امت کی بقیہ تاریخ میں کبھی واحد قیادت کا دور لوٹ کر نہ آیا البتہ نظریاتی طور پر قرون اولیٰ کے طرز حکمرانی کا تصور اور اس کی تڑپ امت کے دل و دماغ میں موجود رہی۔ صدیوں پر محیط یہ تصور اس قدر ذہنوں میں راسخ ہو گیا کہ ایک حکمران اور اس کا قریش میں سے ہونا اسلام کا لازمی تقاضا سمجھ لیا گیا۔ یہاں تک کہ آج بھی سنی علماء اور کٹر مذہبی طبقہ اس پر مصر نظر آئے گا کہ مسلمانوں کا پورے عالم اسلام میں قریش میں سے ایک خلیفہ ہونا لازم ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن ایک سے زائد حکمرانوں کی اجازت دیتا ہے اور ان کا قریش میں سے ہونا لازم نہیں ہے۔

کمیٹی نمبر ۲ ان حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہی جس کا نتیجہ کانگریس کی ناکامی کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ میں ایک اور نمایاں کمی تھی جو سیاست سے متعلق پرانے اسلامی تصور پر مبنی تھی یعنی خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد کر سکتا ہے یا طاقت سے یہ منصب حاصل کر سکتا ہے حالانکہ نہ تو قرآن میں اس کا ذکر ہے' نہ سنت میں اور نہ ہی خلفاء راشدین کے دور میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے اور یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اسلام کی بیشتر تاریخ مختلف بادشاہتوں کے ادوار سے بھری پڑی ہے (موجودہ دور کی فوجی آمریت کو بھی یار لوگ فاتح حکمران کا نام دینے سے ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے)۔ اسلامی فقہاء کئی نسلوں تک' خلیفہ دوم' حضرت عمرؓ کو خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے نامزدگی کی اصل حقیقت کے بارے میں دھوکہ کھاتے رہے۔ بعض دفعہ تو آدمی کو شک گزرتا ہے کہ سنی علماء بادشاہت اور شہنشاہیت کو جواز فراہم کرنے کے لئے اس سے جان بوجھ کر غلط استدلال کرتے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اس لئے خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا کہ اسلام کی رو سے انہیں اس کا اختیار حاصل تھا بلکہ جن لوگوں کے پاس نیا خلیفہ چننے کا اختیار تھا ان لوگوں نے اپنا حق حضرت ابوبکرؓ کو تفویض کر دیا تھا۔ علماء نے درحقیقت یہ فتویٰ دینے میں بہت دھوکہ کھایا کہ خلیفہ وقت کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا بلاتکلف حق حاصل ہے چنانچہ انہوں نے اس بنا پر خلافت کے منصب پر متمکن ہونے والے کسی بھی شخص کی تائید کرنے میں نہ کبھی پہلے پس و پیش سے کام لیا نہ اب لیتے ہیں خواہ وہ بنو امیہ' بنو عباس یا خلافت عثمانیہ کا دور ہو یا اب سعودی عرب میں سعودی بادشاہت' اردن میں ہاشمی شاہی خاندان' مراکش میں شریفی خاندان کی حکمرانی یا خلیج کی بادشاہتیں ہوں۔ اس سے بھی آگے علماء نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ عنہم کو خلفاء راشدین کا درجہ دے کر اس مسئلے کو مزید گھمبیر بنا دیا۔ گویا حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد کے خلفاء میں کوئی خاصی کمی واقع ہو گئی تھی اور پہلے چاروں خلفاء کے حوالے سے جو بات خاص طور پر کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ ان میں بادشاہت یا طاقت سے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۲۶ء کی علماء کی خلافت کانگریس کی کارروائی سخت مایوس کن ثابت ہوئی اور اب بھی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں جس عثمانیہ خلافت کے خاتمے کی علماء نے دہائی دی تھی وہ سوائے خاندانی بادشاہت کے کچھ نہ تھی اور ۱۹۲۶ء میں وہ اس غیر اسلامی خاندانی بادشاہت کی جگہ اسلام کے حقیقی نظام حکومت کا ایک نظری خاکہ بھی پیش نہ کر سکے۔ قران کی رو سے ایک اسلامی ریاست میں قیادت کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔

"اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں" (42 : 58)

اس آیت کا اصل مدعا و منشا یہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرے میں سربراہ کا تقرر معزولی اور اس کی جگہ نئے سربراہ کا تقرر (جسے امت کے اجتماعی نظام میں چوٹی کی اہمیت حاصل ہے) تمام مسلمانوں کی رائے سے عمل میں آنا چاہئے۔ علماء کرام کا یہ تصور کہ خلیفہ وقت اپنا جانشین مقرر کر سکتا ہے یا خلافت کا منصب طاقت کے بل پر حاصل کیا جا سکتا ہے' قرآن سے مطابقت نہیں رکھتا اور اللہ نے مسلمانوں کو جو حق دیا ہے یہ تصور اس کی نفی پر مبنی ہے' البتہ واقعہ یہی ہے کہ پوری تاریخ اسلامی میں عام مسلمانوں کو ان کے اس حق سے کلیتہ محروم رکھا گیا۔ ان سے تو جب خلیفہ بن جاتا تو بنو ک شمیر بیعت کی شرط پوری کرائی جاتی' اس لئے کہ جب ایک دفعہ خلیفہ بن جاتا تو اس کی بیعت سے انکار کا مطلب کھلم کھلا اس کے خلاف بغاوت تھا۔

خلافت کے قیام کے طریقہ کار کے بارے میں کمیٹی نے جو جواب دیا تھا وہ ایک اور پہلو سے بھی ناقص تھا۔ جیسا کہ اس سے پیشتر ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کے تجویز کردہ دو طریقے' یعنی نامزدگی یا فتح کرنا' قرآن و سنت اور دور خلافت راشدہ سے مطابقت نہیں رکھتے' کمیٹی نے عوام کی مرضی سے خلیفہ چننے کا جو طریقہ تجویز کیا اس کی بھی کوئی تفصیل نہیں دی گئی تھی کہ اس وقت ۱۹۲۶ء میں اگر درکار ہو تو عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

بہرحال کمیٹی نمبر ۲ نے بڑے غور و فکر کے بعد جو تجاویز مرتب کی تھیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ الازہر کے علماء جدید ریاستی ڈھانچے سے سرے سے نابلد تھے چنانچہ اگر وہ اپنا مجوزہ نظام عالم اسلام پر نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو مسلمان ایک دفعہ پھر بالفعل غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے۔

کمیٹی نمبر ۳ نے جو سفارشات پیش کیں وہ بدرجہا واضح اور حقیقت پسندانہ تھیں چنانچہ اس کا کہنا تھا کہ "آج مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے سردست خلافت کا احیاء بعید از قیاس ہے"۔ اس کا سبب انہوں نے یہ بیان کیا:

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے ایسا کوئی بااختیار ادارہ موجود نہیں جسے قانوناً بیعت کا اختیار حاصل ہو"۔

اس سے مراد وہ "اہل حل و عقد" تھے جو عوام کی طرف سے خلیفہ کے چناؤ کا فریضہ انجام دیتے رہے تھے مگر اس وقت ایسے حضرات کا کوئی وجود نہ تھا۔ زیادہ بہتر ہوتا اگر یہ بھی بتا دیا جاتا کہ اصل میں تو یہ پہلے بھی ایک ڈھونگ ہی تھا۔ بہرحال یہ مان لینا بھی بڑی بات تھی کہ "خلافت صحیح معنوں میں تو صرف اسلام کے ابتدائی دور میں قائم ہوئی تھی"۔

اس کمیٹی کا مزید کہنا تھا کہ کانگریس نے بجا طور پر تمام مسلمانوں کے نمائندوں کو قاہرہ میں جمع کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ ایک نیا خلیفہ منتخب کرنے کا کام ان کے سپرد کئے جانے پر غور کیا جا سکے لیکن کمیٹی کے

"علماء نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ عنہما کو خلفاء راشدین کا درجہ دے کر اس مسئلے کو مزید گھمبیر بنا دیا۔ گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے خلفاء میں کوئی خاصی کمی واقع ہو گئی تھی"

نزدیک یہ کانگریس تمام مسلمانوں کی نمائندہ نہیں تھی کیونکہ مسلمانوں کے کئی اہم حصوں سے نمائندے اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، یعنی اگر دنیا کے تمام مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی ہوتی تو اس کا امکان تھا کہ کانگریس ایک خلیفہ منتخب کر لیتی اور پوری اسلامی تاریخ میں یہ ایک اپنی مثال آپ ہوتی' لیکن کمیٹی نے ان مخصوص حالات میں احیاء خلافت کے عدم موافقت کے لئے جو غالباً سب سے دلچسپ وجہ بیان کی وہ یہ تھی کہ

"اگر خلیفہ منتخب کر بھی لیا گیا تو وہ دارالاسلام کو موثر طور پر کنٹرول کرنے کی اپنی بنیادی ذمہ داری پوری نہیں کر سکے گا۔ دارالاسلام کے بیشتر حصے غیروں کے قبضے میں جا چکے تھے اور جو باقی رہ گئے ہیں وہاں بھی یہ عالم ہے کہ ایک قومی گروہ دوسرے گروہ کے خلاف برسرپیکار ہے' چہ جائیکہ وہاں کسی نظم و ضبط کا خیال دل میں لایا جائے!!"

معلوم ہوتا ہے کمیٹی کی نگاہ اس پر نہیں گئی کہ دارالاسلام کا اپنا اصل سیاسی تصور ہی مغربی سیکولر سیاسی تصور کی زد میں آ چکا تھا جس کے نتیجے میں عین ممکن تھا کہ وہ تصور قصہ ماضی بن جائے۔

عالم اسلام کے جو خطے غیر ملکی تسلط میں تھے انہیں دارالاسلام کا نام دینا ایک مضحکہ خیز بات تھی۔ غیر ملکی تسلط کے تحت انہیں دار الاسلام میں کیسے شمار کیا جا سکتا تھا۔ اور اگر اس وقت ایک خلیفہ ان علاقوں پر موثر کنٹرول قائم کرنے سے قاصر تھا جو ابھی آزاد تھے تو اسلامی تاریخ کے حوالے سے یہ بھی کون سی نئی بات تھی۔ جس طرح تیرہ صدیوں سے ہوتا چلا آ رہا تھا اس وقت بھی ہو جاتا۔

اصل میں کمیٹی نمبر ۳ کے واضح کرنے کی بات یہ تھی کہ مکہ اور مدینہ اس وقت سعودی' وہابی کنٹرول میں ہیں لہٰذا جو بھی خلیفہ مقرر ہو گا حرمین اس کے کنٹرول سے باہر ہوں گے اور اس صورت میں خلیفہ کا کوئی تصور ہی باقی نہیں رہ جائے گا۔ ایک ایسے وقت میں جب کوئی خلیفہ نہ تھا بلکہ خلافت کا ادارہ ہی خطرے میں تھا جو بھی خلیفہ مقرر ہوتا اس کے لئے حرمین اور حج کا کنٹرول پہلے کی نسبت زیادہ اہم تھا۔ شریف حسین نے اپنی خلافت کا دعویٰ اسی بنیاد پر کیا تھا' اب جبکہ خلافت عثمانیہ ختم کر دی گئی تھی سعودی وہابی طاقت کے لئے جس کے کنٹرول میں گزشتہ بیس سال سے نجد کا بیشتر حصہ آ چکا تھا حجاز جو سو برس قبل ان کے ہاتھ جاتا رہا تھا اسے دوبارہ واپس لینے کا یہ اچھا موقعہ تھا۔ شریف حسین نے خلافت کا دعویٰ کر کے سعودی وہابی طاقت کو مجبور کر دیا کہ وہ مزید انتظار کئے بغیر پوری قوت کے ساتھ فوراً اس کے خلاف میدان میں آئے۔

حرمین پر کنٹرول حاصل کر لینے کے بعد سعودی' وہابی طاقت کا تسلیم کیا جانا ایک امر واقعہ تھا۔ نیز یہ بھی کہ اسے خلافت سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور یہی وہ اصل پریشان کن مسئلہ تھا جو کانگریس کو درپیش تھا۔ کمیٹی کو چاہئے تھا کہ واضح طور پر اس مسئلے کی نشاندہی کرتی کہ حرمین پر جب تک وہابی قابض ہیں سارے مسلمانوں کا ایک خلیفہ مقرر نہیں ہو سکتا' تاکہ جزیرہ نمائے عرب میں برطانوی حکمت عملی کا توڑ کرنے کی کوئی تدبیر کی جاتی اور حرمین کا کنٹرول واپس امت کے پاس آتا مگر کمیٹی نے اس سے اعراض برتا اور اپنی رپورٹ سے یہ تاثر دیا کہ کانگریس اگر خلافت کا مسئلہ طے کر کے نیا خلیفہ منتخب کرنے میں ناکام رہی ہے تو اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں اور یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ

"کانگریس نے مسئلے کی نشاندہی کر کے اس کا حل تجویز کر دیا ہے اور اس طرح امت کی بہت بڑی خدمت کی ہے"

مسئلے کا جو حل تجویز کیا گیا تھا وہ یہ تھا

"... مسلمان عوام کو چاہئے کہ مختلف مسلم ممالک میں اپنے آپ کو منظم کریں اور متعدد کانگرسوں کا اہتمام کریں تاوقتیکہ اسلام کے مطابق خلافت کا مسئلہ حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے..."

کانگریس کی قرارداد

کانگریس کو کمیٹی نمبر ۳ کی امید افزاء رپورٹ پر مایوسی ہوئی تھی۔ الزواہری نے تو اس رپورٹ کو "اسلام کا مرثیہ" قرار دیا۔ جن شرکاء نے پہلے کانگریس کی کارروائی کو عام لوگوں اور پریس کے لئے کھلا رکھا تھا بعد میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رپورٹ کا ایک حصہ پریس کو جانے سے روک لیا جائے۔ شیخ الزواہری' جو کمیٹی نمبر ۳ کی رپورٹ کی مخالفت میں پیش پیش تھے' ایک نئی قرارداد سامنے لائے جسے کانگریس نے منظور کر لیا۔ اس قرارداد کے ذریعے اس بات کی تائید کی گئی کہ خلافت کا احیاء ممکن العمل ہے۔ چنانچہ ایک اور کانگریس کا اہتمام کیا جائے جس میں تمام مسلمانوں کو مناسب طور پر نمائندگی دی جائے اور اس میں شریعت کے مطابق خلافت کے قیام کے لئے ضروری تدابیر اختیار کی جائیں۔ مختصراً یہ کہ نیا خلیفہ کا انتخاب وہ کانگریس کرے گی۔

بہرحال اس امید افزاء تحریر پر کانگریس اختتام کو پہنچی۔ کمیٹی نمبر ۳ کی خامیاں جسے کانگریس نے نظر انداز کر دیا' پردہ اخفاء میں پڑی رہیں کیونکہ نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو کانگریس منعقد کرنا تجویز کی گئی اس کی کبھی نوبت نہ آئی نتیجہ یہ ہوا کہ پورا عالم اسلام حقیقت کے اعتبار سے مابعد خلافت کے دور میں داخل ہو چکا تھا۔

(جاری ہے)

نامے میرے نام

امید ہے مزاج اچھے ہوں گے۔ ۲۳ اپریل ندائے خلافت میں گمنام مکتوب پڑھ کر حیرت ہوئی۔ مکتوب کراچی کے عنوان سے جو تحریر بھی میں نے بھیجی ہے اس پر میرا ضمیر مطمئن ہے اور جو کچھ دیکھا ہے اسے کم کر کے لکھا ہے میں نے کسی طبقے کی نمائندگی نہیں کی ہے اور نہ اس قسم کی سوچ ہے۔

حالات کی کڑواہٹ نوک قلم تک آ جائے تو اس میں لکھنے والا کا کیا قصور ہے۔ حالات یہاں تک کس طرح پہنچے ہیں اگر اس کے لئے کوئی غیر جانبدار کمیشن مقرر کیا جائے تو حقیقت کا پتہ چل جائے گا مگر ایسا ہو گا نہیں۔

میری وہ تحریر مکتوب نگار کی نظر سے نہیں گزری جس میں میں نے لکھا ہے کہ کراچی میں جتنا خون بہہ رہا ہے اس سے نصف اگر دین کے لئے بہایا گیا ہوتا تو آج پاکستان کا منظر کچھ اور ہوتا۔

حالات و واقعات کا ذکر کر کے میں نے ہمیشہ قاری کو اقامت دین کی طرف متوجہ کیا ہے۔ حالات و واقعات کی صحیح عکاسی کرنے کے بعد ہی اپنی بات کہی جا سکتی ہے۔ محض وعظ کہنے کا دور گزر گیا۔ ویسے کسی بھی تحریر سے منفی پہلو نکالنا مشکل نہیں ہوتا۔ حقائق جاننے' سننے اور سمجھنے کی اگر تاب نہیں ہے تو پھر پہلے اپنی فکر کرنی چاہئے۔ "ندائے خلافت" کوئی "چھوئی موئی" کا پودا نہیں ہے جو مکتوب کراچی کے بار سے مرجھا جائے گا۔ اظہار حقیقت میں عصبیت تلاش کرنے والے خود عصبیت کا شکار ہیں۔

دوہرا معیار فساد کی جڑ ہے۔ معاشرے سے جب تک دوہرا معیار ختم نہیں ہو گا۔ انسانیت کا خون بہتا رہے گا۔ عدل و انصاف کا قیام خلافت علیٰ منہاج نبوت سے ہٹ کر ممکن نہیں اس نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد فرض ہے۔ جس کے لئے ہر شخص کو کمر ہمت کس لینی چاہئے۔

عاجز و عاصی
احقر نجیب صدیقی' کراچی

جب تک انقلاب نہیں آتا' موجودہ نظام کو صحیح طریقے سے تو چلاؤ !

بیع مؤجل اور بیع مرابحہ سے موجودہ سارے بینکنگ کے نظام کو بظاہر مشرف بہ اسلام کیا گیا

تمام مذہبی عناصر جو سیاسی میدان میں ہیں انہیں لازماً مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہئے' بشرطیکہ...

میں نے اپنی زندگی کے ۳۱ سال بنیادی طور پر علامہ اقبال کے خواب کو عملاً دنیا میں قائم کرنے کے لئے صرف کئے

یوم اقبال کے موقع پر ۲۶/ اپریل کی ڈاکٹر اسرار احمد کی تقریر' جسے ہفت روزہ "ندائے ملت" (۱۰/ مئی) نے شائع کیا

محترم و مکرم صدر مجلس' معزز زعماء قوم' محترم حاضرین اور محترم خواتین! شاید آپ حیران ہوں کہ آج میں نے اپنی گفتگو کا آغاز اس آیہ مبارکہ سے کیوں کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہے: "وما ارسلنک الا مبشرا ونذیرا" ترجمہ: "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر مبشر اور نذیر بنا کر"۔ نبوت کے بنیادی فرائض میں سے تبشیر اور انذار ہیں: "وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین" جمع کے صیغے میں بھی آیا۔ سورۂ کہف میں اور واحد کے صیغے میں حضور سے خصوصی خطاب کی صورت میں آیا' بنی اسرائیل میں۔ یہ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ علامہ اقبال کے لئے میں اس سے قبل مفکر پاکستان' مصور پاکستان اور مجوز پاکستان کے الفاظ استعمال کرتا رہا ہوں۔ لیکن آج میں ان کے لئے مبشر پاکستان کا خطاب استعمال کر رہا ہوں۔ علامہ اقبال کی شخصیت میں انبیاء کرام کی شخصیتوں کا یہ پرتو موجود تھا "تبشیر" بشارت دینا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس صدی کے آغاز میں عالم اسلام پر زبوں حالی کا' اضمحلال کا' ذلت کا' رسوائی کا' معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اس کا بہت نمایاں مظہر شاعر قوم مولانا حالی' ان کی مسدس اور اس کا آغاز

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اور اس مسدس کا اختتام کیا مولانا حالی نے۔

اے خاصہ خاسان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

یہ مرثیہ خوانی ہو رہی تھی۔ شبلی نے بھی کی' حالی نے بھی کی لیکن ناامیدی اور یاس کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں علامہ اقبال کی صدا بلند ہوتی ہے جس میں امید تھی' ایک روشن مستقبل کی پیشین گوئی تھی۔

تبشیر تھی' بشارت تھی' یہ بشارت تو پوری ملت اسلامیہ کے لئے تھی' اسلام کے لئے تھی' ایک خصوصی بشارت تھی۔ مسلمانان ہند کے لئے' ۱۹۳۰ء کے خطبے میں علامہ اقبال کے وہ الفاظ آج میں چاہتا ہوں کہ آپ کو سناؤں۔

The formation of a consolidated North West Muslim State appear to me to be the final destiny of the Muslims at least of North West India.

یہ بشارت ہم تجویز نہیں کہہ سکتے' اس لئے اس سے پہلے میں ان کے لئے مجوز پاکستان کا لفظ استعمال کرتا رہا تھا۔ آج میں نے ترمیم کی ہے۔ مبشر پاکستان' جنہوں نے بشارت دی تھی جس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ ہونے والا ہے۔ یہ تقدیر مبرم ہے' یہ ہو کر رہے گا لیکن یہ کہ اس خطبے میں ایک بات جو علامہ اقبال نے فرمائی تھی آج میں آپ کی توجہ ادھر مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی تعلیمات پر جو پردے دور ملوکیت میں پڑ گئے تھے بلکہ میں حیران ہوتا ہوں کہ علامہ اقبال نے خاصا عریاں لفظ استعمال کیا تھا۔ "عرب امپریلزم" اسلام کی حقیقی تعلیمات پر جو پردے "عرب امپریلزم" کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلامی تعلیمات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ بشارت پاکستان کے ساتھ یہ تصور پاکستان تھا جو

"ناامیدی اور یاس کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں علامہ اقبال کی صدا بلند ہوتی ہے جس میں امید تھی' ایک روشن مستقبل کی پیشین گوئی تھی"

علامہ اقبال نے دیا۔ یہاں ذرا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کی کونسی تعلیمات پر پردے پڑے عہد ملوکیت میں۔ دیکھئے اسلام کی ایک تعلیمات وہ ہیں جن کا تعلق کنونشنل (روایتی) مذہب سے ہے جس کے بارے میں آج تصور یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی میں صرف انفرادی زندگی تک محدود شے ہے۔ عقیدہ ہے' عبادات ہیں' کچھ رسومات ہیں' ظاہر بات ہے کہ دور ملوکیت میں ان چیزوں میں کوئی خلل پیدا کرنے کی شہنشاہوں کو اور بادشاہوں کو اور خلفائے بنو عباس اور بنو امیہ کو ضرورت نہیں تھی۔ ان چیزوں میں کوئی

ترمیم یا تنسیخ امریکہ اور بھارت نہیں کرتا تو ظاہر بات ہے کہ مسلمان ملوک کیسے کرتے۔ دور ملوکیت میں نماز پر کوئی پردہ نہیں پڑا' روزے پر کوئی پردہ نہیں پڑا' زکوٰۃ پر یا حج پر کوئی پردہ نہیں پڑا اور کھانے پینے کی چیزوں میں حلال اور حرام پر کوئی پردہ نہیں پڑا۔ پر سنل لاء پر پردہ نہیں پڑا۔ پردہ کس چیز پر پڑا۔ دو چیزیں ہیں جاگیرداری اور سرمایہ داری۔ دور ملوکیت میں جو فقہ پروان چڑھی ہے ظاہر بات ہے جج صاحبان یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمارے ملک میں جو بہت ہی چرچا رہا ہے۔

Rule of necessity

جب ملوکیت کا تانا بانا آگیا مجھے آج جسٹس کیانی مرحوم یاد آرہے ہیں۔ جنہوں نے تاریخی الفاظ کہے تھے کہ

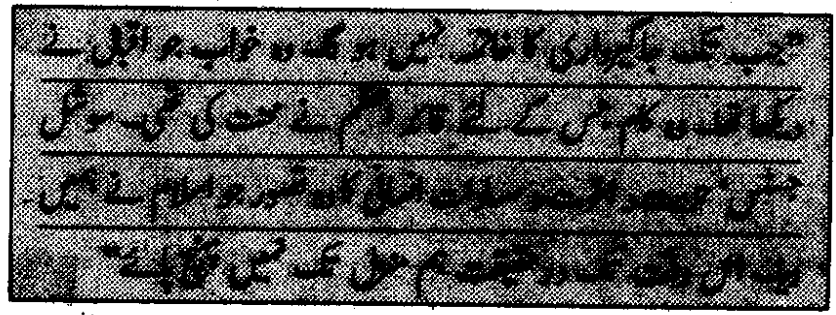

"Misfortune never comes alone but this time they have come in Batalian"

اس طریقے سے سمجھئے کہ بادشاہت نے پنجے گاڑ لئے تو فقہاء کیا کرتے۔ نظریہ ضرورت کے تحت انہوں نے اس کے تقاضوں کے لئے جواز پیدا کیا۔ دو بڑی چیزیں ہیں کہ جن میں ترمیم کی گئی اور جس نے کہ اسلام کی تعلیمات پر ہمیشہ کیلئے پردے ڈال دیئے۔

دور خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ کا اجتہاد اور اس پر اجماع کہ جتنے ممالک مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے ہیں' ان کی زمینیں کسی کی انفرادی ملکیت نہیں ہیں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہیں۔ بیت المال کی ملکیت ہیں۔ وہ عشری زمینیں نہیں ہیں خراجی ہیں۔ مسلمان کی ملکیت زمین سے عشر لیا جاتا ہے اور جو سرکاری زمین ہے' مسلمانوں کے بیت المال کی زمین ہے' اس سے خراج لیا جاتا ہے۔ صرف کاشتکار اور بیت المال' نہ کوئی زمیندار نہ کوئی جاگیردار لیکن ظاہر بات ہے ملوکیت کو ضرورت ہوتی ہے جاگیرداروں کی۔ یہ درحقیقت ملوکیت کے پاؤں ہیں۔ جاگیردار' وہ چاہے یورپ کے لارڈز ہوں' نجدؤل ہوں' کوئی بھی ہو یا ہمارے ہاں کے پانچ ہزاری' تین ہزاری منصب دار ہوں۔ ایک ہی نظام پوری دنیا میں تھا۔ وہی نظام ملوکیت کے دور میں اسلام میں آیا اور خلفاء کو یہ حق دیا گیا کہ وہ چاہے تو وہ زمینیں جو مفتوحہ زمینیں ہیں وہ اپنے منظور نظر لوگوں کو جاگیر کی شکل میں عطا کر دیں۔ یہ اسلامی فقہ کی پہلی شکست تھی اور دور ملوکیت میں اسلام کی اصل تعلیمات کے اوپر پہلا تاریک پردہ تھا۔ اسی طریقے سے سود کو جائز قرار دیا گیا۔ مختلف حیلے بہانے' بیع مجل۔ یہی شے ابھی لیتے ہو نقد تو دو ہزار روپے کی ہے۔ ایک سال کے بعد قیمت دو گے تو تین ہزار روپے کی ہے اس کو جائز قرار دے دیا گیا۔ بیع مرابحہ پہلے سے طے کر لو تمہارے لئے میں یہ شے خریدتا ہوں۔ اتنا منافع تم مجھے پہلے ہی دو گے۔ ان دونوں سے' بیع مجل اور بیع مرابحہ سے موجودہ سارے بینکنگ کے نظام کو بظاہر مشرف بہ اسلام کیا گیا اور حقیقت کے اعتبار سے شراب کے اوپر لیبل لگایا گیا ہے' شربت روح افزا کا' یہ دونوں چیزیں ہماری دور ملوکیت کی فقہ میں آئی ہیں۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ علامہ اقبال کا اشارہ انہی چیزوں کی طرف تھا۔ جاگیرداری خصوصاً مزارعت جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اس قوم کو عزت دیتا ہے' سرفرازی عطا فرماتا ہے جو اپنے ہاتھ سے اپنی تقدیر لکھتی ہے۔ اس قوم سے اللہ کو کوئی سروکار ہی نہیں جس کا دہقان کسی اور کے لئے کاشت کر رہا ہو۔ مالک کوئی اور ہے خون پسینہ کسی اور کا ہے۔ یا یہ بھی نوٹ کر لیجئے جب تک دور ملوکیت کے پنجے پوری طرح نہیں گڑے تھے ہمارے ہاں دو مکتب ہائے فکر' ایک اصحاب قیاس جن کے سرخیل امام ابو حنیفہؒ اور ایک اصحاب روایت جن کے سید الطائفہ امام مالکؒ' دونوں کا فتویٰ تھا۔ مزارعت قطعاً حرام۔ زمین آپ کی ہے تو خود کاشت کریں یا کسی بھائی کو دی ہے تو اس کی پیداوار میں سے ایک دانہ لینا حرام ہے۔ یہ فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کا۔ یہ فتویٰ امام مالک کا لیکن جب دور ملوکیت کے پنجے گڑ گئے۔ امام ابو حنیفہؒ ہی کے دو شاگردوں نے کچھ شرطیں لگا کر مزارعت کے جواز کا فتویٰ دیا اور آج سمجھا یہ جا رہا ہے کہ حنفی فقہ میں مزارعت جائز ہے۔ یا تو حنفی فقہ پر سے امام ابو حنیفہ کا نام ہٹا دیجئے۔ قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نام درج کر دیجئے۔ تو ٹھیک ہے۔ بہرحال پہلی بات یہ ہے جب تک جاگیرداری کا خاتمہ نہیں ہو گا۔ وہ خواب جو اقبال نے دیکھا تھا۔ وہ کام جس کے لئے قائد اعظم نے محنت کی تھی۔ سوشل جسٹس' حریت و اخوت و مساوات انسانی کا وہ تصور جو اسلام نے ہمیں دیا۔ اس وقت تک درحقیقت ہم منزل تک نہیں پہنچ پائے۔ چلے چلو کہ وہ منزل نہیں ابھی آئی۔ ابھی تو جدوجہد کرنی ہے۔ اسی طرح سود کے بارے میں میں یہ نہیں چاہتا کہ صرف جاگیرداروں کو گالیاں دیں۔ ہمارے کارخانے دار' ہمارے سرمایہ دار جو فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم نے سود دیا ہے اور تب ہم نے یہ پوری دولت کمائی ہے اور اس میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ وہ بھی یکساں قابل مذمت ہیں۔ اس لئے کہ علامہ اقبال کا فرمان تو یہ ہے کہ "اس" ربوا کے پیٹ سے کیا برآمد ہو سکتا ہے۔ یہ ام الخبائث ہے"۔ اس کے بطن سے تو سوائے فتنوں کے اور کوئی شے برآمد ہی نہیں ہو سکتی۔ قرض حسنہ جس کا تصور دیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج اس کی لذت سے مسلمان خود بیگانہ ہو گیا۔ اس سود کے نظام کے تحت انسان کا باطن تاریک ہو جاتا ہے۔ نور خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بھیڑیئے کی طرح انسان کے پنجے اور دانت نہیں ہوتے لیکن انسان بھیڑیا بن جاتا ہے۔ بہرحال اس بحث سے قطع نظر کہ آج آپ کے ہاں کون سی مسلم لیگ صحیح ہے اور کون سی غلط ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ بہت عرصے بعد ایک بات بہت اچھی ہوئی ہے کہ علامہ اقبال اور قائد اعظم کی جماعت کے نام سے ایک مضبوط جماعت اس ملک کے اندر پیدا ہو چکی ہے۔ ہمارے ہاں موجودہ جو نظام چل رہا ہے مغرب کا جمہوری نظام جس کی حقیقت یہی ہے کہ چہرہ روشن اور اندرون چنگیز سے تاریک تر۔ لیکن جب تک انقلاب نہیں آتا ظاہر بات ہے کہ اس نظام کو چلانا ہے۔ انارکی تو ٹھیک نہیں ہے انقلاب کے لئے تیاری کرو۔ صرف نعرے نہ لگاؤ۔ تیاری کرو۔ اس کے تقاضے پورے کرو لیکن جب تک انقلاب نہیں آتا جو نظام قائم ہے اسے تو صحیح طریقے سے چلاؤ اور اس کے لئے لازم تھا کہ دو جماعتیں کم سے کم مضبوط ہوں۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ صورتحال نہیں تھی۔ اب ہو گئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اس اعتبار سے ہمارے لئے خوش آئند ہے کہ علامہ اقبال اور قائد اعظم کی وراثت کسی

درجے میں پھر پاکستان میں مستحکم ہو گئی ہے۔ اگرچہ مسلم لیگ کو آگے بڑھنا ہے اور اگر واقعی مسلم لیگ تحریک پاکستان کو اس کے منطقی نتائج تک پہنچانا چاہتی ہے تو محض ایک سیاسی جماعت نہیں بلکہ اس نظریات کی علمبردار بن کر سامنے آئے۔ خاص طور پر قائد اعظم کے اور علامہ اقبال کے تصورات کو لے کر اگر آگے نہیں بڑھے گی تو بس ایک سیاسی جماعت ہے۔ جیسے دوسری سیاسی جماعت ہے۔ اگر اس کے کردار میں کوئی بنیادی فرق نہ آیا تو یہ اونچ نیچ تو ہوتی رہے گی جس سے ملک و ملت کا کوئی بھلا نہیں ہو سکتا لیکن اگر واقعتاً کوئی کام کرنا ہے تو میں تین باتیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ مسلم لیگ کے ذمہ دو قرض ہیں۔ نواز شریف صاحب کی مسلم لیگ کے۔ اس میں کوئی شک نہیں انہوں نے محنت کی ہے مشقت کی ہے جماعت کو مستحکم کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے' نوشتہ دیوار ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کے ذمہ دو قرض ہیں' اس ملت اسلامیہ پاکستان کے' انہیں وہ ادا کرنے لازم ہیں۔ اگر وہ مسلم لیگ کے نام کی لاج رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ اقبال اور قائد اعظم کی مسلم لیگ ہے تو سب سے پہلے جو ان کا وعدہ تھا ہم آئیں گے تو کتاب و سنت کی ٹوٹل بالادستی' اس ملک کی ہر شے کے اوپر ہر سطح پر' اس کو قائم کریں گے۔ اس کو نافذ کریں گے۔ یہ وعدہ وہ پورا نہیں کر سکے تھے میں نہیں جانا چاہتا اس تفصیل میں کہ وہ کیوں نہ کر سکے۔ مجھے معلوم ہے کہ دنیا کا رخ اس وقت کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ سپر پاور کے رنگ کیا ہیں۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ ایک سپریم پاور اور بھی ہے۔ اس کی مدد کو پکارو۔ اگر "تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ نواز شریف کو چاہئے کہ وہ علی الاعلان معافی مانگے کہ دو تہائی اکثریت رکھنے کے باوجود مجھ سے کوتاہی ہوئی کہ میں وہ وعدہ پورا نہیں کر سکا اور اب آئندہ وعدہ پورا کروں گا۔ اگر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں۔ پھر اونچ نیچ کہیں سے کلیرنس لے لیجئے۔ وہ جو چہرے بدلتے رہتے ہیں۔ ان کا تو فلسفہ ہے کہ زیادہ دیر وہی چہرے نہیں رہنے چاہئیں۔ ایک ٹرائنگل ہے۔ آپ ٹرائیو کہتے ہیں۔ میں اسے ٹرائنگل کہتا ہوں۔ وہ "مو" کرتی ہے۔ کبھی فوج آگے' بیورو کریسی اور جاگیردار پیچھے کبھی جاگیردار آگے فوج اور بیورو کریسی پیچھے۔ وہی ایک ٹرائنگل۔ اس کو موو کرنا اس کی ضرورت ہے۔ لیکن اس سے نہ تو کوئی اس ملت کو کوئی فائدہ ہو گا نہ ہماری آخرت اور عاقبت کا کوئی بھلا ہو گا۔

۲۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے بینکنگ انٹرسٹ کے بارے میں جو فیصلہ کیا جس کے بارے میں نواز شریف صاحب نے بھی کہا تھا کہ ہم اس کے خلاف اپیل نہیں کریں گے۔ وہ زیادہ وقت مانگ لیتے عدالت سے کہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کو چھ مہینوں میں یا چند مہینوں میں پورا کیا جا سکے۔ وقت دے دیجئے۔ پورے عالم اسلام کے لوگوں کو دعوت دیتے جو اکانومسٹ تھے۔ انہیں بلاتے قوم کو کچھ تو نظر آتا کہ پیش قدمی ہو رہی ہے کہ بغیر سود کے بھی کوئی بینکنگ ممکن ہے یا نہیں۔ لیکن یہ کہ انہوں نے افسوس صد افسوس کہ انہوں نے اس کے خلاف اپیل دائر کر کے اور کولڈ سٹوریج میں ڈال دیا اور اس کا بھی عہد کریں کہ اب اگر وہ آئیں گے تو اپیل واپس لے لیں گے۔

> **"دور خلافت راشدہ میں حضرت عمرؓ کا اجتہاد اور اس پر اجماع کہ جتنے ممالک مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیے ہیں' ان کی زمینیں کسی کی انفرادی ملکیت نہیں ہیں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہیں"**

۳۔ وہ بات جس کے لئے بڑی جرات کی ضرورت ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ تہیہ کر گزریں' اس قوم کے اندر سے اتنی قوت نکلے گی۔ وہ ایٹمی توانائی جو اس کے اندر موجود ہے اسے کوئی بروئے کار نہیں لا سکا۔ اندر ہے مگر وہ کب بر آمد ہو گی۔ جب یہ طے کیا جائے کہ پاکستان کی ساری زمینیں خراجی ہیں کسی کے باپ کی ایک انچ ملکیت نہیں ہے۔ یہ اجتہاد ہے حضرت عمر فاروقؓ کا ہے اس پر اجماع ہوا تھا دور خلافت راشدہ میں اور یہ وہ ہے جو فقہ حنفی کے پچھلے صدی کے امام قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور انکی کتاب آج بھی پڑھائی جاتی ہے حنفی مدارس میں۔ اس میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ ہندوستان میں کوئی عشری زمین نہیں ہے۔ لہٰذا میں عشر کے مسائل لکھتا ہی نہیں۔ خواہ مخواہ طلبہ کے ذہنوں پر بوجھ ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سب خراجی زمینیں ہیں۔ ایک بالکل نیا بندوبست اراضی جو اس بنیاد پر کہ یہاں کی ساری زمینیں اجتماعی ملکیت ہیں۔

ایک بات اور کہہ رہا ہوں کہ میری رائے یہ ہے کہ اب پاکستان جس جگہ پہنچ گیا ہے تمام مذہبی عناصر جو سیاسی میدان میں ہیں۔ یہاں میری مراد نظری سیاست نہیں ہے۔ انتخابی سیاست نہیں ہے بلکہ انتخابی سیاست ہے' میرا موقف یہ ہے کہ جو بھی مسلمان مذہبی عناصر انتخابی سیاست میں رہ کر چاہتے ہیں کہ دین کی بات کریں انہیں لازماً مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہئے۔ تعاون کی بات نہیں۔ کیا مولانا عبدالحامد بدایونی مسلم لیگ میں شامل نہیں تھے۔ کیا مولانا داؤد غزنوی مسلم لیگ میں شامل نہیں تھے۔ کیا پیر جماعت علی مسلم لیگ میں شامل نہیں تھے۔ میں نے چند جمعہ پہلے اپنے خطبوں میں کہا تھا کہ نورانی صاحب اگر ملاقات فرما رہے ہیں نواز شریف صاحب سے تو میں اس کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ میرا مشورہ رہا ہے کہ مولانا عبدالستار نیازی کو بھی مشورہ ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ کیوں بناتے ہیں۔ مسلم لیگ میں شامل ہوں تاکہ ایک جماعت مضبوط اور مستحکم ہو۔

لیکن یہ کہ اس میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم خود کیا کر رہے ہو۔ تم خود مسلم لیگ میں کیوں نہیں۔ تمہاری ڈیڑھ بھی نہیں آدھی اینٹ کی مسجد الگ کیوں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا جواب میرے ذمے ہے۔ میں آج آپ کے سامنے ایک بات عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے ۳۱ سال بنیادی طور پر علامہ اقبال کے خواب کو عملاً دنیا میں قائم کرنے کے لئے صرف کئے۔ میں صاف عرض کر دیتا ہوں کہ میں علامہ اقبال کو فکر انسانیت کا مجدد مانتا ہوں۔ میں علامہ اقبال کو اپنا مرشد معنوی مانتا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے جیسے علامہ نے خود فرمایا' ان کے ایک مرشد مولانا روم تھے' لیکن ساتھ ہی اکبر الٰہ آبادی کے بارے میں بھی کہا تھا ان کے بیٹے کو تعزیتی خط لکھتے ہوئے کہ میں آپ کے والد کو مرشد معنوی مانتا ہوں۔ اسی طرح میں عرض کروں گا کہ علامہ اقبال میرے مرشد ہیں' فکر کے اعتبار سے۔ ایک مرشد مولانا مودودی ہیں تحریک کے اعتبار سے۔ ایک مرشد ہیں مولانا اصلاحی صاحب' میرے مرشدین ہیں۔ علمائے حقانی میں سے شیخ الہند اور شیخ الاسلام' پاکستان کے پہلے اور آخری شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی۔ ظاہر بات ہے کہ میں نے اپنی پوزیشن واضح کر دی کہ میں نے ۳۱ برس' ۱۹۶۵ء میں دوبارہ یہاں منتقل ہوا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں یہاں سے ایم بی بی ایس کر کے چلا گیا۔ ۶۵ء میں واپس آیا ایک مشن کے لئے اور وہ

مشن کیا تھا۔ ۶۷ء کی میری ایک تحریر ہے جس میں قرآن اکیڈمی کا نقشہ ہے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۶ء میں اپنے ایک عقیدت مند سے کہا تھا' چودھری نیاز علی خان مرحوم جب وہ ریٹائر ہو کر آئے۔ سول انجینئر تھے اور ضلع گورداسپور کے بہت بڑے زمیندار بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں فارغ ہو گیا۔ کوئی دینی خدمت بتایئے جو آپ کے نزدیک ملت کے لئے سب سے زیادہ عمدہ ہو فرمایا ایک ادارہ بناؤ۔ دارالسلام کے نام سے اس کا مقصد یہ ہو کہ گریجویٹس' جو مختلف کالجوں سے گریجویشن کر چکے ہیں انہیں وہاں رکھا جائے اور انہیں قرآن پڑھایا جائے۔ علامہ اقبال کو احساس ہو چکا تھا کہ ہماری ملت میں دو بحریں علیحدہ علیحدہ چل رہی ہیں۔ ایک دینی مدارس ہیں اور دوسری طرف کالجز ہیں۔ ان کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہے۔ وہ دین سے بے بہرہ یہ دنیا سے بے بہرہ۔ ظاہر بات ہے کہ اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

چودھری نیاز علی نے "دارالسلام" ادارہ تو بنالیا لیکن یہ کہ علامہ نے خط لکھایا۔ اس وقت کے الازہر یونیورسٹی کے ریکٹر کو کہ ہمیں کوئی ایسا عالم دیجئے جو جدید علوم سے بھی باخبر ہو اور جو گریجویٹس کو قرآن پڑھائے لیکن انہیں مطمئن کر سکے۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہمارے پاس بھی ایسا کوئی عالم نہیں۔ بات ختم ہو گئی۔ البتہ یہ کہ مولانا مودودی کو چونکہ علامہ اقبال نے دعوت دی کہ آیئے دکن کی سنگلاخ زمین میں آپ کی بات سننے والا کوئی نہیں۔ پنجاب کی زرخیز زمین میں آیئے۔ جماعت اسلامی کا مرکز تو رہا لیکن وہ ادارہ وجود میں نہیں آیا۔ الحمد اللہ ۱۹۶۷ء میں میں نے اس کی تجویز پیش کی۔ ۱۹۷۷ء میں وہ قائم ہو گیا۔

۱۹۸۷ء میں اس کی کوکھ سے قرآن کالج برآمد ہو گیا اور اب تک میں سینکڑوں گریجویٹ نہیں' ایم اے' امریکن یونیورسٹیوں سے ایم ایس کئے ہوئے لوگ ڈاکٹر' انجینئر سینکڑوں لوگوں کو قرآن پڑھا چکا ہوں اور الحمد اللہ کہ انہیں مطمئن کیا ہے اور انہیں مدرس قرآن بنا دیا ہے۔ حال ہی میں ہمارے ہاں محاضرات قرآنی ہوئے ہیں۔ میں جناب مجید نظامی کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے اس نوجوان باسط بلال کا مضمون شائع کیا۔ بہرحال ایسے سینکڑوں نوجوان اب موجود ہیں۔ الحمد اللہ میری ۳۱ برس کی محنت ہے جو نظر نہیں آیا کرتی تو میں اس خواب کی تکمیل میں اپنی پوری جوانی صرف کر چکا ہوں۔ علامہ اقبال کا ایک اور خواب جو بیشتر اقبالیوں کے ذہن میں بھی نہیں وہ کیا ہے۔

وہ خواب اسلامی انقلاب ہے۔ میں مشکور ہوں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا' حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس کا انہوں نے علامہ اقبال کی زندگی کا ایک گمشدہ ورق نکال کر پبلک کے سامنے رکھ دیا۔ یہ کتاب شائع کی ہے آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس نے اور اس سے معلوم ہوا ہے کہ ایک جماعت اسلامی انقلاب کے لئے تیار کرنے کا کام علامہ اقبال کے پیش نظر تھا۔ اس کی پوری خط و کتابت اس کتاب کے اندر آپ مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ جو میں نے استعمال کئے ہیں میرے علم میں نہیں تھے۔ یہ دسمبر ۹۴ء میں کتاب چھپی ہے۔ اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا۔ لیکن میں جو کچھ کرتا رہا ہوں میں نے اس کو تو اپنے ۳۱ برس کہا ہے۔ اس کو ۲۱ برس کہہ رہا ہوں۔

۲۱ برس سے جو ایک اور کوشش میں نے شروع کی تنظیم اسلامی کے نام سے جو انقلابی جماعت' میں تو چاہتا تھا کہ آپ کو یہاں سے اس کے اقتباسات سناؤں' علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین' مصنف ڈاکٹر برہان احمد فاروقی شائع کردہ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشنل کانفرنس' ایک جماعت بن چکی تھی علی گڑھ' میں اور اس کا نام تھا جماعت مجاہدین علی گڑھ اور اس میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے استاد ڈاکٹر ظفر الحسن اور ڈاکٹر عبدالجبار خیری' یہ جو آج کل مشہور ہو گئے ہیں راولپنڈی کے ایک وکیل عبدالوہاب خیری ان کے بزرگ' دونوں نے مل کر بنائی تھی۔

☆

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور پھر آیا چاہتا ہے!

اسے لانے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی فکر کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مسترد کر کے خلافت کا علم کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھما دے۔

سرکاری عمرے

17/ مارچ 1996 کو قومی اسمبلی میں پیش کردہ تفصیلات کے مطابق ضیاء الحق صاحب نے 8 سالوں میں سرکاری خرچ پر 20 عمرے کئے جن پر 1,41,47,656 روپے خرچ ہوئے۔ نواز شریف صاحب نے 3 سالوں میں 3 عمرے کئے اور 18,11,701 روپے خرچ ہوئے۔ فاروق لغاری صاحب نے 2 سال میں 4 عمرے کئے اور 42,39,725 روپے خرچ ہوئے۔ بے نظیر صاحبہ نے 2 سال میں 8 عمرے کئے اور 73,22,672 روپے خرچ ہوئے۔ اس طرح مذکورہ بالا عمروں پر کل 2,75,21,884 روپے خرچ ہوئے۔ جولائی 1995ء سے بے نظیر صاحبہ کے غیر ملکی دوروں پر کل 3,50,00,000 روپے خرچ ہوئے۔

چودہ اراکین اسمبلی اور ان کے خاندان والوں کے بیرون ملک علاج پر 1,42,78,534 روپے اور 5 سرکاری ملازمین پر 22,65,000 روپے خرچ ہوئے۔ 96-1995ء کے لئے پاکستان کا کل بجٹ 4,30,000 ملین روپے ہے' جس میں تعلیم کے لئے 1614 ملین اور صحت کے لئے 2264 ملین روپے رکھے گئے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی کل آبادی 120 ملین خیال کی جاتی ہے۔ اس طرح صحت کی مد میں فی کس -/19 سالانہ بنتے ہیں' وہ بھی درحقیقت امیروں پر خرچ ہو جاتے ہیں' رہے مملکت خداداد' اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بسنے والے غریب عوام تو وہ وقت آنے پر سیدھے اللہ کو "پیارے" ہو جاتے ہیں۔

(دی یونیورسل میسج)

چہرے نہیں نظام کو بدلو

نظام کی تبدیلی کے ضمن میں رجال دین کے خیالات

تحریر : میم سین' کراچی

کراچی سے شائع ہونے والے ایک مقامی ہفت روزہ جریدہ میں نظام کی تبدیلی کے حوالے سے سیاستدانوں' دانشوروں' اور بیورو کریسی پر مشتمل افراد کے خیالات شائع ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض حضرات کے خیالات درج کئے جا رہے ہیں جو یا تو رجال دین میں شمار ہوتے ہیں یا کم از کم اسلام پسند ضرور ہیں۔

پروفیسر غفور احمد : اس وقت یہ بحث کہ ہمارے لئے پارلیمانی نظام بہتر ہے یا صدارتی' یا یہ کہ ہر بالغ شخص کو ووٹ کا اختیار ملنا چاہئے یا اسے محدود کیا جائے' میں سمجھتا ہوں کہ ایسے سوالات لاحاصل بحثوں کو فروغ دیں گے۔ اس کی بجائے جیسا کہ میں نے کہا ہے جمہوری پارلیمانی نظام پر ملک میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے' اسے صحیح طریقے سے چلانے اور احتساب کے بے لاگ نظام کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا سید وصی مظہر ندوی : میں سمجھتا ہوں کہ نظام کی تبدیلی نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیا کے حالات کا تقاضا ہے۔ اقوام عالم آسمانی ہدایت سے منکر ہو کر خیر و شر اور باطل کو جس طرح فروغ دے رہی ہیں وہ انکی مادی خواہشات اور خود غرضی کے لئے تو تقویت کا باعث ہو سکتا ہے نوع انساں کو اس سے امن اور سکون فراہم نہیں ہو سکتا۔

مولانا سمیع الحق : میرا خیال یہ ہے کہ آئین کی حکمرانی قائم کرنے سے صورتحال کو سنبھالا جا سکتا ہے تمام جماعتیں ایک اعلیٰ سطحی ادارے پر متفق ہو جائیں جو آئین کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے اقدامات کرے۔

جسٹس تنزیل الرحمٰن : ہمیں کسی نئے نظام کی ضرورت نہیں ہے۔ نظام تو وہی ہے جس کا خواب قیام پاکستان کے وقت دکھایا گیا تھا۔ قائد اعظم اور ان کے رفقاء سب نے اسی کی بات کی تھی یعنی اسلامی نظام کے نفاذ کی۔ ہمیں ضرورت ہے خلافت اور شورائیت کے نظام کی۔

مولانا محمد طیب : سچی بات یہ ہے کہ اس وقت سارا سیاسی سسٹم جاگیردار اور سرمایہ دار سیاستدانوں اور سیاسی مولویوں کے چنگل میں ہے۔ یہ "لیمٹڈ کمپنی" ہم پر مسلط ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعد اس لیمٹڈ کمپنی سے نجات حاصل کرنے کے لئے (موجودہ) نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ضروری ہے۔

مولانا شبیر احمد خان : اس وقت معاشرے میں جو تفریق' تقسیم' ناانصافی' حق تلفی بدامنی' بے حسی اور مایوسی نظر آ رہی ہے وہ موجودہ نظام کا تحفہ ہے۔ اس لئے ان بیماریوں کے خاتمے کے لئے نظام کی تبدیلی از بس ضروری ہے۔ اسلامی نظام کے قیام کے ذریعہ انسانوں ہی نہیں تمام مخلوقات کو تحفظ مل سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق بلوچ : موجودہ نظام نے بیروزگاری' گرانی' بدامنی' رشوت ستانی' قتل و غارت' اخلاق باختگی' دین سے دوری اور ملکی استحکام کے اعتبار سے مسلسل شکست و ریخت کے سوا کیا دیا ہے۔ کوئی اس صورتحال سے مطمئن نہیں۔

گویا تمام حضرات نظام کی تبدیلی کے خواہاں ہیں سوائے پروفیسر غفور احمد کے۔

"نظام کی تبدیلی کیسے؟" کیسے کے جواب میں ان حضرات نے فرمایا۔

مولانا وصی مظہر ندوی : اس نظام کو بدلنے کے لئے ایسے صاحب علم اور صاحب کردار لوگوں کی ضرورت ہے جو وقتی مسائل و فوائد سے بے نیاز ہو کر تمام دنیا کے انسانوں کو بندگی رب کی دعوت دیں اور انہیں دنیا میں اپنی فطری حیثیت یعنی خلیفتہ اللہ کی حیثیت سے کام کرنے پر تیار کریں۔ (تنظیم اسلامی یہی جدوجہد کر رہی ہے)

مولانا سمیع الحق نے نظام کی تبدیلی کے بات تو کی لیکن صورتحال کو سنبھالنے کے لئے آئین کی حکمرانی پر زور دیا۔ (سوال یہ ہے کہ اس ظالمانہ اور استحصالی نظام کی موجودگی میں آئین کی حکمرانی کیسے قائم ہوگی۔)

جسٹس تنزیل الرحمٰن نے دروس و تدریس کے حلقے قائم کرنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ دین کا فہم عام کیا جائے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو دین کے قریب لایا جائے۔ (عرض ہے کہ درس و تدریس کے حلقے تقریباً تمام دینی جماعتوں نے قائم کر رکھے ہیں۔ لیکن ان کا اثر زائل کرنے کے لئے تو محض ئی۔ وی ہی کافی ہے۔)

مولانا محمد طیب : تبدیلی کے لئے دو سطحوں پر کام کرنا ہو گا۔ ایک فوری اور دوسرا طویل المیعاد۔

(۱) تیرہ افراد پر مشتمل ایک سپریم کونسل بنائی جائے جو تمام مسائل کا حل تجویز کرے (سپریم کونسل اپنی تجاویز پر عمل درآمد کس طرح کرائے گی؟)

(۲) انگریزوں کی عطا کردہ جاگیروں کے مالکوں کو بے نقاب کیا جائے (کیا آج وہ بے نقاب نہیں ہیں؟)

اسی طرح کی چند اور تجاویز کے بعد طویل المیعاد اقدامات کے طور پر اصلاح معاشرہ کے کام کو وہ اولیت دیتے ہیں۔ دعوت و ارشاد کے کام پر زور دیتے ہوئے انہوں نے مثال پیش کی کہ ۲۷ رمضان المبارک کو ان کی درس گاہ میں ختم قرآن کے موقع پر کم و بیش ڈیڑھ لاکھ افراد شریک ہوتے ہیں۔ (منظم اور ایک اعلیٰ مقصد کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں تو ڈیڑھ لاکھ افراد ملک میں بہت بڑی تبدیلی لا سکتے ہیں)

مولانا شیر احمد خان : نے فرمایا کہ اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کے لئے مسلمانوں میں اتحاد بنیادی شرط ہے۔ اس عذاب کے خاتمے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تمام انسان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت سے روگردانی سے باز آ جائیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کریں (اس مقصد کے لئے مرکز امت یعنی خلافت کا احیاء ناگزیر ہے مگر اس کے لئے جدوجہد کرنے کو کوئی تیار نہیں)

مولانا عبدالحق بلوچ نے فرمایا کہ ایک طریقہ اوپر

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

مغربی معاشرہ خاندانی زندگی اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے

کسی فیصلہ سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

ان دنوں اخبارات میں نوجوان مسلمان لڑکیوں کا اپنی مرضی سے شادی رچا لینے کا خاصا چرچا ہے۔ ابو عمار زاہد الراشدی خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ نے نہایت مدلل اور موثر انداز میں اس معاملے کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم اسے قارئین کے افادے کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

تحریر : ابو عمار زاہد الراشدی

اخبارات میں شائع ہونے والی تفصیلات کی روشنی میں ایسے مقدمات کا بنیادی طور پر توجہ طلب نکتہ یہ نظر آتا ہے کہ کیا کوئی عاقلہ بالغہ مسلمان لڑکی اہل خاندان یا ولی اور سرپرست کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح از خود کر سکتی ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فیض الباری علی صحیح البخاری" میں فقہی مذاہب کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی اجازت اور رضا کی صورت میں بھی ایجاب و قبول کا اختیار لڑکی کو حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی سرانجام دے گا۔

۲۔ احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی اجازت اور رضا کی صورت میں بھی ایجاب و قبول کا اختیار لڑکی کو حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے یہ ذمہ داری ولی سرانجام دے گا۔

۳۔ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی کر سکتی ہے البتہ اسے اس طرح اپنا نکاح کرنے کی صورت میں "کفو" کے تقاضوں کا لحاظ رکھنا ہو گا اور اگر اس نے ولی کی اجازت کے بغیر "غیر کفو" میں نکاح کر لیا تو ولی کو نہ صرف اعتراض کا حق ہے بلکہ وہ تنسیخ نکاح کے لئے عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔

۴۔ "کفو" کا مفہوم فقہائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح ایسی جگہ نہ ہو جہاں لڑکی کا ولی اور اہل خاندان اپنے لئے عار محسوس کریں "کفو" کے اسباب فقہائے کرامؒ نے اپنے اپنے عرف اور ذوق کے مطابق مختلف بیان کئے ہیں جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی اور اس کا خاندان جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں کے عرف اور معاشرتی روایات کے مطابق جو بات بھی ان کے لئے باعث عار سمجھی جاتی ہو وہ "کفو" کے اسباب میں شامل ہو گی کیونکہ "کفو" کی علت سب فقہاء نے "دفع ضرر عار" بیان کی ہے اور عار کے اسباب ہر معاشرہ اور عرف میں مختلف ہوتے ہیں۔

۵۔ اس تفصیل کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا موقف سب سے زیادہ قرین انصاف اور متوازن معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رائے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر علامہ سید محمد انور کاشمیریؒ نے امام اعظمؒ کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے اور یہ بات انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہے اس لئے کہ نکاح صرف دو افراد کے باہمی تعلق کا نام نہیں بلکہ دو خاندانوں کے باہمی تعلقات، معاشرہ میں ان کی عزت و وقار، اولاد کی کفالت و تربیت اور ایک نئے تشکیل پانے والے خاندان کے مستقبل کے معاملات اس نکاح سے وابستہ ہیں اور اصول یہ ہے کہ کسی فیصلہ سے جتنے لوگ بھی متاثر ہوتے ہوں فیصلہ کرتے وقت ان سب کے مفادات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

۶۔ ویسٹرن سولائزیشن نے اسی مقام پر دھوکہ کھایا ہے کہ مغربی دانشوروں نے فرد کی آزادی اور عورت کے حقوق کے پر فریب عنوان کے ساتھ نکاح کو دو افراد کا معاملہ قرار دے کر اس کے باقی لوازمات و نتائج کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا فیملی سسٹم انارکی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے جس کا ذکر چوٹی کے مغربی دانشوروں کی زبانوں پر بھی انتہائی حسرت کے انداز میں ہونے لگا ہے۔

اس سلسلہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن کے دورۂ پاکستان کے موقع پر شائع ہونے والی اس خبر کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ :

"امریکی خاتون اول مسز ہیلری کلنٹن اسلام آباد فارگرلز کی اساتذہ اور طالبات کے ساتھ کھل مل گئیں اور ان سے ایک گھنٹے سے زیادہ بے تکلفانہ گفتگو کی، ہیلری کلنٹن نے طالبات سے ان کے مسائل دریافت کئے۔ طالبات نے دوستانہ انداز میں کلنٹن کی اہلیہ کو سب مسائل بتائے۔ فورتھ ایئر کی طالبہ نائیلہ خالد نے امریکی خاتون اول سے پوچھا کہ امریکی طالبات کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ اس پر امریکہ کی خاتون اول نے کھل کر گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی طالبات کا مسئلہ تعلیم کی مناسب سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں فنڈز کی کمی کا مسئلہ ہے مگر امریکہ میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں بغیر شادی کئے طالبات اور لڑکیاں حاملہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح بے چاری لڑکی ساری عمر بچے کو پالنے کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ ایک دوسری طالبہ وجیہہ خالد نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اس پر ہیلری کلنٹن نے کہا کہ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان اپنے مذہب اور معاشرتی اقدار سے بغاوت نہیں کرنی چاہئے، مذہبی و سماجی روایات اور اصولوں کے مطابق شادی کے بندھن میں بندھنا چاہئے، اپنی اور اپنے والدین کی عزت و آبرو اور سکون کو غارت نہیں کرنا چاہئے۔ مسز ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کی شادی کے خلاف نہیں ہیں، انہوں نے کہا کہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام کرتے ہوئے شادی ہوتی ہے اس لئے یہاں

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

جوہر دادو یسف عصر حاضر کے بے مثل ہیرو ہیں

جناب ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی شاخ مسلمانوں کے لہو سے پھر رنگین و تازہ ہو رہی ہے

جینا ہے تو غیرت مند اور آزاد بن کر اور مرنا ہے تو اس طرح کہ زندگی بھی موت کی جستجو کرے

تحریر : حبیب اللہ شاہد

قیام یورپ اور اس کے بعد کے عرصے کی شاعری اقبال کے ایک خاص ذوق و شوق کی آئینہ دار ہے۔ اس دوران کہی گئی نظموں میں ملت بیضا کے زوال کا نقشہ بڑے درد انگیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پوری ملت اسلامیہ سامراجی طاقتوں کی محکوم تھی۔ مسلکی و گروہی اختلافات' بے عملی' ترک اسلام اور اہل فرنگ کے نظریات باطل مسلم تہذیب میں در آنے کے باعث ملی وحدت تار تار ہو چکی تھی۔ اس پر آشوب دور میں شاعر مشرق کی درد مند روح نے نہ جانے کیسے کیسے کرب سے ہوں گے۔ وہ دکھ جس کی حدت تن اقبال کو ہر لمحے محسوس ہوتی تھی اس کا اندازہ ہمیں اس نظم سے ہوتا ہے جو یورپ سے واپسی کے دوران' سسلی سے گزرتے ہوئے ایک درماندہ راہرو کی صدائے دردناک بن کر اشعار کی صورت میں ڈھلی اور درد کا لاوا ضبط کے بندھن توڑ کر اس طرح بہہ نکلا

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہان تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور
غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے؟
(بانگ درا۔ صقلیہ)

> "آج بے شمار چنگاریاں پورے عالم اسلام میں دہک رہی ہیں ان کی حدت سے خاشاک غیر اللہ خاکستر ہونے کو ہیں اور باطل لرزاں بداماں ہے۔ نوجوانان ملت بیضا کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ان کے دور میں کیسے کیسے فرزندان جلیل جنم لے رہے ہیں"

ملت اسلامیہ کی زبوں حالی سے پریشان اقبال' جب اسکی منتشر اور مرکز گریز حالت کو دیکھتے تو ایسا بھی ہوتا کہ طبیعت میں قنوطیت عود کر آتی کہ امت مرحوم خواب غفلت سے بیدار ہونے کو تیار ہی نہیں۔ یاس کے ایسے عالم میں گرفتار شاعر بے اختیار پکار اٹھتا۔

قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن ہی نہیں
تنگ ہے صحرا تیرا محمل ہے بے لیلا تیرا

لیکن شاعر مشرق' شاعر امید بھی تھے انہوں نے اس اضطراب کو نیک شگون خیال کیا اور جب انہوں نے پردۂ تقدیر میں ایک عالم نو کو بے حجاب دیکھا تو تمام رجائیت سحابوں کی اوٹ میں آ گئی۔ امید اور یقین کامل نے جب معراج کمال کی حدوں کو چھوا تو شاعر کو وہ لمحہ منزہ میسر آیا جسے پالینے کی جستجو میں بے شمار افراد نے رہبانیت کا غلط راستہ کیا لیکن بجز پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہی وہ پاکیزہ لمحات تھے' جب شاعر مشرق' شاعر امید بنے اور ان کا نہاں خانہ دل مسرت کے نغموں کی جھنکار سے گونج اٹھا۔ یہ کس نے کہا کہ محفل مسلم بے قیس ہے۔ یہ کس نے کہا کہ تنگ ہے صحرا تیرا' محمل ہے بے لیلا تیرا! اب جو راز آشکار ہوا وہ یہ تھا:

دیکھ آ کر کوچہ چاک گریباں میں کبھی
قیس تو' لیلا بھی تو' صحرا بھی تو' محمل بھی تو
وائے نادانی! کہ تو محتاج ساقی ہو گیا
مے بھی تو' مینا بھی تو' ساقی بھی تو' محفل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو
(بانگ درا۔ شمع)

اب یہی اقبال تھے جنہوں نے شرکی طاقتوں کو بر سر عام للکارا

ہم نشیں! مسلم ہوں میں' توحید کا حامل ہوں میں
اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار
فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار
(بانگ درا۔ مسلم)

خون صد ہزار انجم سے نوید سحر لانے والے شاعر کو یقین ہو چلا تھا کہ خلیل اللہ کے دریا میں پھر گہر پیدا ہوں گے اور شاخ ہاشمی خزاں کی سختیاں جھیل کر ایسے برگ و بار پیدا کرے گی کہ شبستان وجود نور کی کرنوں سے جگمگا اٹھے گا۔ آج اقبال زندہ ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے کہ ملت بیضا کا خزاں رسید شجر نئی کونپلوں کے ساتھ فضا کو مشک بار کرنے کو ہے۔ شاعر امید آپ نے فاطمہ بنت عبداللہ کی شہادت پر حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

لیکن آج بے شمار چنگاریاں پورے عالم اسلام میں دہک رہی ہیں ان کی حدت سے خاشاک غیر اللہ خاکستر ہونے کو ہیں اور باطل لرزاں بداماں ہے۔ نوجوانانِ

ملتِ بیضا کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ان کے دور میں کیسے کیسے فرزندانِ جلیل جنم لے رہے ہیں۔ کوئی ایک گوہر تابدار ہو تو اس کا ذکر کیا جائے لیکن اس بطلِ جلیل کا ذکر ضروری ہے جو خود جاں سے گزر کر ملت کے لئے ایک نشانِ راہ متعین کر گیا ہے اور ایسا لائحہ عمل بھی دے گیا ہے جس میں عمل کا عنصر زبان کے عنصر سے بہت زیادہ ہے۔ اہل مغرب کی کثافت' حماقتوں' منافقتوں' تہمت تراشیوں' دروغ بافیوں' دہشت گردی اور کمزور اقوام کی دولت' عزت' خود مختاری' اور آزادی پر نقب لگانے کی حامل روایات کو تہذیب و تمدن جان کر پیروی کرنے والے نادان نوجوانو اپنی چشم بینا کو ذرا وا کرو۔ یہ مہذب وحشی جو حیوانوں کی سطح سے بھی نیچے کی زندگی بسر کر رہے ہیں' جن کی زندگی میں کوئی معیار ہی نہیں' جو اپنی بے مقصد حیات' جاہلیت اور حیوانی نشاط انگیزی کے باعث بے ہنگم موسیقی پر جنسی میلان کے تحت رقص کرنے لگ جاتے ہیں' جو ایسی زندگی گزار رہے ہیں جو درشت' کرخت' بے رنگ و بے کیف ہے اور جو ایسی زندگی گزار کر مر جاتے ہیں جو حسد' خوف پریشانی' حرص' طمع اور حیوانی تسکین کی غلاظتوں سے لتھڑی ہوتی ہے' یہ تمہارے آئیڈیل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان کی غلیظ و مکروہ حرکات و سکنات اور بے لباسی تمہارا کلچر ہو سکتی ہے۔ ہمارا کلچر بے توازن لباس' اور رقص کرتے ہوئے بدن نہیں' ہمارا کلچر تو مقصد جلیل کی خاطر میدان کارزار میں رجز پڑھتے ہوئے شہادت کی طلب و تمنا ہے' حصول علم کی خاطر زندگی کو وقف کرنا ہے اور تحقیق و جستجو کے ذریعے مفید اسرار کائنات کو بازیاب کرنا ہے۔ ہماری ثقافتی روایات یہ ہیں کہ جینا ہے تو غیرت مند اور آزاد بن کر جینا ہے اور کار خیر کے لئے جہد مسلسل کے بعد جب مرنا ہے تو اس طرح کہ زندگی بھی موت کی جستجو کرے۔ ہمارے ہیرو مائیکل جیکسن' میڈونا' نیل ینگ' جون لی اور ایسے ہی بے حسب گویئے نہیں ہمارے ہیرو خالد بن ولید' صلاح الدین ایوبی' عبد الرحمٰن اول' المنصور' محمد ابن نصر' الزاغل' مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ' سید احمد شہید' جعفر تھانیسری' جمال الدین افغانی' سید قطب شہید اور ایسے ہی ہزارہا تابناک انجم ہیں جن کی طویل فہرست کا بوجھ یہ مختصر صفحات اٹھانے کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن عصر حاضر کے بے مثل ہیرو جوہر دودا ییف ہیں' امام شامل شہید نے اپنی قوم کو جو راہ دکھائی اس کی دھندلاتی منزل کو جوہر شہید نے اپنے لہو سے نہ صرف ششانی اخوان کے لئے از سر نو منور کیا ہے بلکہ بلاد اسلامیہ کے ان لاکھوں نوجوانوں کے لئے بھی راہ متعین کر دی ہے جو انسانوں کی عالمگیر برادری کو خونخوار و عیار بھیڑیوں کے غول سے بچانے اور عالمگیر اخوت پر مبنی نظام عدل کے قیام کے لئے اپنی کچھاروں میں بے تاب ہو رہے ہیں۔ جوہر دودا ییف شہید بلاشبہ نوجوان ملت کو جو پیغام دے گئے ہیں وہ اقبال کے الفاظ میں یہی تو ہے

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری' نفس میرا شعلہ بار ہو گا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا
تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثال شرار ہو گا
(بانگ درا' مارچ ۱۹۰۷ء)

جوہر دودا ییف آپ کی عظمتوں کو سلام' آپ کے پاک بدن سے بہتے ہوئے اس مطہر لہو کو سلام جس کی پاکیزگی اور بلند رتبگی کی شہادت رحمت اللعالمینؐ نے دی' آپ کے اس فقر کو سلام جو جنگاہ میں بے ساز و یراق آیا۔ آپ کے اس قلب سلیم کو سلام جس کی ضرب کاری دشمن کے سینے میں ہمیشہ پھانس بن کر چبھتی رہے گی۔ آپ کے اس حنا رنگ جسد خاکی کو سلام جو تہہ خاک ہو کر بھی جاوداں ہو گیا۔ تا قیامت آسماں آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے اور وہ ولولہ تازہ جو آپ نے دلوں کو دیا ہے' دشمنان اسلام کبھی اس کی تاب نہ لا سکیں۔

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں
بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعت مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں

اے شہید عصر یہ ربط و بے ترتیب و لامعنی تحریر اس کرب کی نذر ہے جس کا مداوا ہمارے پاس تھا لیکن ہم نے بخل سے کام لیا تاہم آپ کی جدائی کی یہ عارضی شام غم ایک دائمی صبح عید کی نوید ضرور سنا گئی ہے' گو کہ شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے لیکن نغمہ عشرت بھی اپنے نالہ ماتم میں ہے۔ لاریب موت کے زہراب میں ہی اقوام زندگی پاتی ہیں وہ اس لئے کہ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

دگر شاخ خلیل از خون ما نمناک میگردد
ببازار محبت نقد ما کامل عیار آمد
سر خاک شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہال ملت ما سازگار آمد
(بانگ درا۔ طلوع اسلام)

جناب ابراہیم خلیل اللہ کی شاخ ہمارے لہو سے پھر رنگین و تازہ ہو رہی ہے۔ محبت کے گلشن میں ہماری جنس وفا بالکل کھری اور خالص ثابت ہوئی۔ میں شہید کی لحد پر لالہ کے سرخ پھول اسی لئے چڑھا رہا ہوں کہ یہ لہو ہماری ملت کے شجر کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا ہے۔

بقیہ : مذاکرہ

سے نظام مسلط کرنے کا ہوتا ہے جسے کوئی ذہین معاشرہ مشکل سے قبول کرتا ہے۔ (معاشرہ کی اکثریت تو ذہین اقلیت کے رحم و کرم پر ہوتی ہے پورا معاشرہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا)

دوسرا طریقہ انہوں نے فرمایا تعلیم و تربیت کے ذریعہ تبدیلی لانے کا ہے۔ (لیکن الیکشن کے راستے سے کونسی تربیت ہو رہی ہے؟)

راجہ ظفر الحق : چلانے والے بددیانت ہوں تو کوئی نظام اچھا نہیں۔ (کیا دیانت دار افراد آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی)

لفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن : صدارتی نظام مسائل حل کر سکتا ہے (جبھی آپ ضیاء الحق کے معتمد خاص ہوا کرتے تھے)

بقیہ : معاشرتی اقدار

لڑکیوں کے مسائل کم ہیں"
(جنگ' لاہور ۲۸ مارچ ۹۵ء)

اس پس منظر میں ضروری ہے کہ مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے بارے میں اسلامی احکام و قوانین' معاشرتی روایات اور عدالتی نظائر کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرہ میں "فیملی سسٹم" کی تباہی کے اسباب کو بھی سامنے رکھا جائے کیونکہ یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہو گی کہ مغرب جس دلدل سے واپسی کے راستے تلاش کر رہا ہے ہم آزادی اور حقوق کے نام نہاد مغربی فلسفہ کی پیروی کے شوق میں نئی نسل کو اسی دلدل کی طرف دھکیلنا شروع کر دیں۔

بقیہ : دین و دانش

یہ کہ نظر محدود ہوئی ہے بلکہ اسلام کی اثر آفرینی میں کمی واقع ہوئی ہے۔ داخل و خارج میں توازن و تناسب کا قیام قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہو سکتا ہے۔ OO

(بشکریہ : ماہنامہ "ارقم" مئی ۱۹۹۶ء)

"جدید انسان' ورائے جدیدیت کی دہلیز پر"

مرکزی انجمن کے زیر اہتمام سالانہ محاضرات قرآنی میں 'محاضرات کے مرکزی مقرر جناب باسط بلال کوشل کے پیش کردہ افکار کا خلاصہ

گو آج کا انسان اس پر فخر جتاتا ہے کہ وہ مذہبی عقائد پر یقین نہیں رکھتا مگر اس کی سوچ کا مطالعہ یہ خبر دیتا ہے کہ دنیا کے متعلق اس کا نظریہ اس کے تراشے ہوئے کچھ عقائد ہی پر قائم ہے۔ اس کے عقیدہ "تثلیث" کے تین اجزاء سائنسیت' سیکولرزم اور سرمایہ داری ہیں۔ ان عقائد کے حامل افراد کے لئے روحانیت اور مذہب بے معنی اور غیر اہم ہیں۔

چونکہ ان افکار کو سائنسی و علمی زبان میں بیان کیا جاتا ہے اس لئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ان عقائد کی بنا محض دعوے پر قائم نہیں بلکہ یہ ٹھوس سائنسی اصولوں پر قائم ہیں لیکن حقیقت ایسی نہیں ہے' ہمیں ان کا عملی تجزیہ کر کے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ سائنسی و علمی اصول نہیں' تراشے ہوئے توہمات ہیں۔ یہ علمی تجزیہ مشکل نہیں بلکہ علمی حقائق جدید ذہن کے ان عقائد کی نفی کر چکے ہیں۔ ضرورت محض انہیں پیش کرنے کی ہے لیکن یاد رہے کہ تنقید ان اصولوں پر ہونی چاہئے کہ جدید ذہن اس کا قائل ہو اور وہ اصطلاحات استعمال ہونی چاہیں جن سے جدید ذہن آشنا ہو۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ مذہب' جدید مغربی روایات سے خارج ہے اور آج کے انسان کا ذہن مغربی فکر ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس لئے اسے مذہبی دلیل سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن خالص علمی بنیادوں پر بھی ورائے جدید (Post modern) ذہن کے حاملین' گو سرمایہ داری اور سیکولرزم پر تو نہیں البتہ سائنسی رویوں پر خالصتاً علمی تنقید کر رہے ہیں چونکہ اب یہ بات ثبوت کے قریب پہنچ رہی ہے کہ موجودہ دور کا مغربی رویہ سنجیدہ علمی رویہ نہیں ہے یہ حقیقی سائنسی جانچ کے سامنے بھی نہیں ٹھہر سکتا' نہ انسانی مزاج اور تاریخ کے مطالعہ کے بعد اس کی کوئی گنجائش موجود ہے۔ اس چیز نے اب اس حقیقت کو واکر دیا ہے کہ ورائے جدیدیت (Post modern) دور کا امکان موجود ہے۔

علم' سائنس اور تاریخ میں ترقی نے جدید ذہن کے اعتقادات کو متزلزل کر دیا ہے اور ایک نئے دور ایقان کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے گو اس کی صورت ہمارے سامنے واضح نہیں لیکن اس کا ایک تصور ہم کر سکتے ہیں' ضرورت محض ایک انقلابی عالم (سکالر) کی ہے جو انسانی فکر کا دھارا روحانیت کی طرف بدل دے۔ گو آج کے دور کا آدمی اس کے لئے تیار نہیں مگر ہٹ دھرمی تاریخی دھارے کا رخ نہیں بدل سکتی۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ ورائے جدیدیت (Modern period) کی تشکیل نطشے یا اقبال کے تصور کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔ ان دونوں نے دور حاضر کی کوتاہیوں کو محسوس کیا ہے اور دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ دور ایک عارضی وقفہ ہے جو گزر جائے گا۔ ان دونوں نے اپنے تصورات بھی پیش کئے ہیں جن پر نئے دور کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ ہمارے سامنے آج کے دور میں کوئی ایسا تیسرا فرد نہیں جس نے اقبال یا نطشے سے زیادہ واضح طور پر نئے دور کا تصور کیا ہو یا اس کی صورت گری کی ہو۔

نطشے کا تصور خالص ملحدانہ تصور ہے' مگر وہ اخلاقی تصورات کی قطعی نفی کرتا ہے جن کو جدید دور میں بڑی اہمیت کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے۔ نطشے کا خیال ہے کہ موجودہ دور انوکھے تضادات کا مجموعہ ہے کہ آج کا انسان ایک طرف خدا کے وجود کا منکر ہے لیکن ساتھ ہی وہ انصاف' امن' انسانیت' برابری' آزادی' اور بھائی چارہ کی تعلیمات کو بڑی شد و مد سے پیش کرتا ہے۔ نطشے اس کا قطعی منکر ہے کہ خدا کے وجود کا انکار بھی کیا جائے اور ان شریفانہ تصورات کا تذکرہ بھی ہو۔ اس کا کہنا ہے کہ ان تصورات کا تعلق صرف مذہب کے ساتھ ہے اور خدا کا منکر اصولاً ان اخلاقیات کا بھی منکر ہوتا ہے۔ نطشے کا خیال ہے کہ خدا کے تصور کے زندگی سے خروج کے بعد اس کے دوبارہ دخول کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا اب کوئی فوق البشر (Super man) ان اخلاقی تصورات کو تبدیل کر ڈالے گا اور ایسے اخلاقیات کی بنیاد رکھے گا جس میں نیکی یا گناہ کا کوئی تصور نہ ہو' جو خالص مذہبی تصور ہے۔

اقبال کا تصور' خالص خدا پرستی کا تصور ہے۔ نطشے کے فوق البشر (Super man) کے برعکس جو خود خدا بن جاتا ہے' اقبال کا تصور یہ ہے کہ انسان کامل کے اندر اللہ کی معرفت کا شعلہ بھڑکتا ہے وہ اللہ کو پہچان کر اپنے آپ کو اس کی مرضی (بندگی) میں دینے کا فیصلہ کرتا ہے پھر انسان اپنے اخلاقی اصول خود نہیں تراشتا بلکہ اللہ کی وحی کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

لہٰذا دور جدید کے انسان کے لئے دو ہی راستے ہوں گے۔ نطشے کا راستہ' کہ خدا کا منکر تمام اخلاقیات کا بھی انکار کر دے یا اقبال کا راستہ' کہ اللہ کو حاکم و مطاع تسلیم کر لے گزشتہ دو صدیوں میں تیسری راہ (third option) کی تلاش میں انسان کی تمام تر کوشش ناکام ہوئی ہیں۔

موجودہ دور کا سب سے ضرر رساں پہلو یہ ہے کہ اس نے مابعد الطبیعاتی حقائق کے امکان کو بھی رد کیا ہے۔ آج کے انسان میں اس اہلیت ہی کی کمی واقع ہو گئی ہے کہ وہ مان سکے کہ اس کے کمپیوٹر یا دوربین کی پہنچ سے باہر بھی حقیقت کا امکان ہو سکتا ہے' حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ مادی دنیا کی تحقیق ہی نے یہ حقیقت ظاہر کی ہے کہ نہ دکھائی دینے والے جہاں کو تسلیم بھی کیا جائے اور اسے دکھائی دینے والے جہان سے زیادہ اہمیت بھی دی جائے۔ ہر دور میں ہر ثقافت کا حامل انسان اس حقیقت سے باخبر رہا ہے اور تاریخ اس بات کی خبر دیتی ہے کہ عالم غیب ہمیشہ انسانی فکر کا محور رہا ہے کہ ظاہری دنیا کو دیکھ کر پوشیدہ دنیا سے بے نیاز نہیں رہا جا سکتا جب کہ آج کا انسان اس عیاں حقیقت کا منکر ہے۔

اسلام نے آج انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنا ہے تو اسے انسان کو دوبارہ اس عالم غیب سے آشنا کرنا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں انسان کو دوبارہ خدا سے متعارف کرانا ہوگا۔ کوئی دوسرا مذہب اس کام کو انجام دینے کے قابل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذہب جس زبان اور جن اصطلاحات کے ذریعے طبعی اور غیر طبعی دنیا میں تعلق واضح کرنا چاہے وہ موجودہ دور کے انسان کے نزدیک قابل توجہ نہیں ہیں۔ یہ کام انسان کو عطا کی گئی آخری وحی' قرآن مجید کی اصطلاحات کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس کے لئے اسلام کو خود جدید (Modern) سے ورائے جدید (post modern) دور میں داخل ہونا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں تجدید و احیاء کی ضرورت ہوگی۔ اصلاً آج کے دور کا اسلام مغربی فکر سے متاثر ہو چکا ہے۔ مغرب کی روحانیت سے دوری کا اثر مسلم فکر پر بھی ہوا ہے۔ مسلمانوں نے طریقت (تصوف) کی روحانی تعلیمات کو سنجیدگی سے نہیں لیا بیسویں صدی کے اسلام کی توجہ زیادہ تر شریعت سے متعلقہ امور پر رہی ہے اور حکمت دین کو نظر انداز کیا گیا ہے' جس کا سراغ طریقت میں ملتا ہے۔ گویا موجودہ دور میں مسلمانوں نے صرف شریعت کو دنیا کے سامنے پیغام کے طور پر پیش کیا ہے۔

اس تاریخی مشن کو انجام دینے سے قبل اسلام کو شریعت و طریقت کے اجتماع کے ذریعے وسیع تصور زندگی کو لینا ہوگا۔ ان دونوں میں سے ایک پر توجہ سے نہ صرف

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

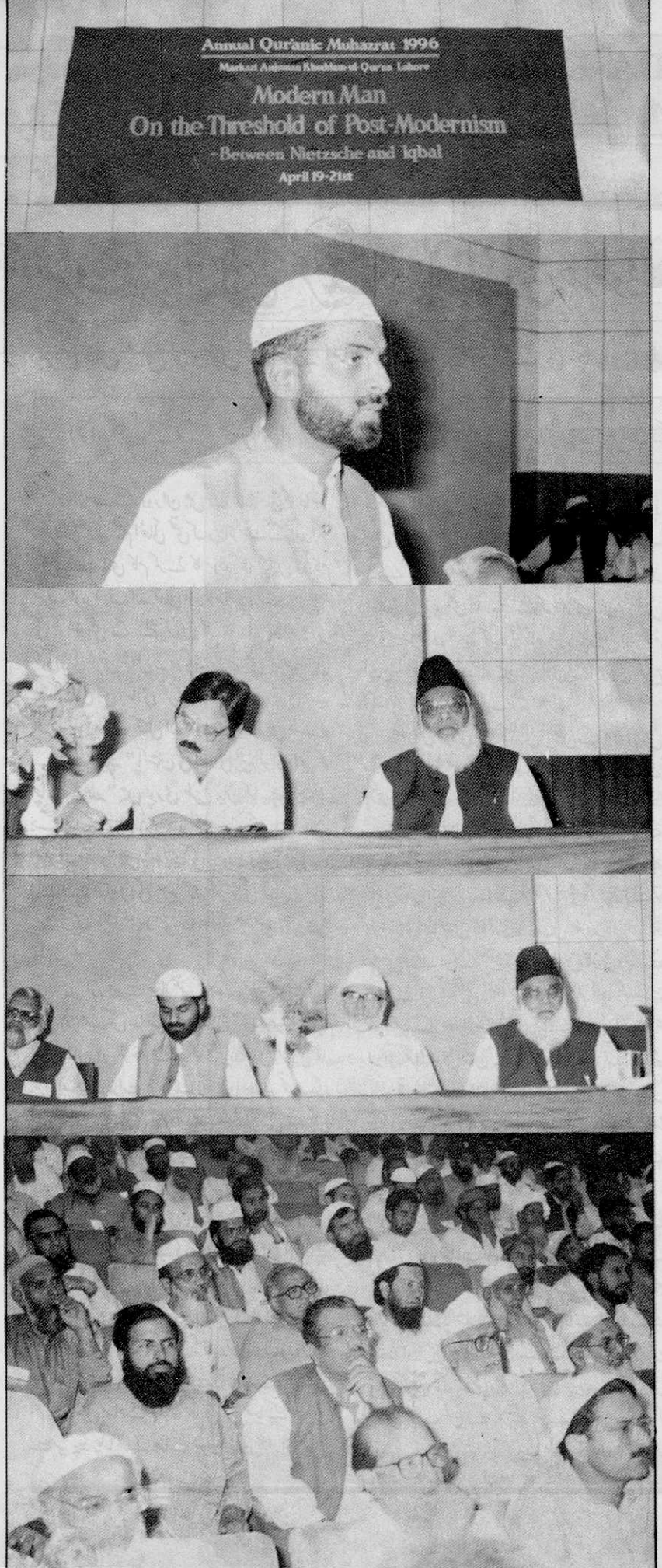

سالانہ

محاضرات قرآنی

(۱۹۹۶ء)

تصویری جھلکیاں

اس سال محاضرات قرآنی کا انعقاد ۱۹ تا ۲۱ / اپریل، وسیع و خوشنما قرآن آڈیٹوریم، اتاترک بلاک، گارڈن ٹاؤن میں ہوا۔

محاضرات قرآنی کے مرکزی مقرر جناب باسط بلال کوشل تھے۔ باسط بلال کا کسی قدر تفصیلی تعارف ندائے خلافت کی گزشتہ اشاعت کے ذریعے قارئین کے سامنے آ چکا ہے۔ ان محاضرات کے بارے میں محترم مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے تاثرات پر مشتمل ان کا کالم "جلسہ عام" بھی پچھلے شمارے میں شامل تھا۔

تصاویر میں سب سے اوپر ایک بڑے سائز کا نہایت دیدہ زیب بینر دکھایا گیا ہے جو تینوں دن آڈیٹوریم کی زینت بنا رہا اور جس میں محاضرات کا عنوان نمایاں طور پر پڑھا جا سکتا تھا، یعنی

MODERN MAN ON THE
THRESHOLD OF
POS-MODERNISM

دوسری تصویر میں جناب باسط بلال لیکچر دکھائی دے رہے ہیں۔

تیسری تصویر میں محاضرات کے پہلے دن کے صدر، پروفیسر سجاد نصیر صاحب (صدر شعبہ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی لاہور) مرکزی انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ سٹیج پر رونق افروز ہیں۔

چوتھی تصویر محاضرات کے تیسرے اور آخری دن، سٹیج پر موجود افراد کی آئینہ دار ہے۔ تصویر میں اس روز کے صدر محفل جناب ڈاکٹر خالد علوی کے علاوہ باسط بلال کوشل، محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور سٹیج سیکرٹری ڈاکٹر ابصار احمد نمایاں ہیں۔

آخری تصویر سامعین کے ایک حصے کی عکاسی پر مشتمل ہے۔ یوں تو پورا آڈیٹوریم تینوں دن سامعین سے پر رہا، لیکن ایک تصویر میں پورے آڈیٹوریم کا احاطہ چونکہ ممکن نہ تھا لہٰذا ہال کے صرف ایک چھوٹے سے گوشے کی تصویر پر ہمیں اکتفا کرنا پڑی۔ اس تصویر میں سامعین کے مابین مدیر زندگی محترم مجیب الرحمٰن شامی نمایاں ہیں۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تلاش منزل

صرف وہی اسلامی تحریک کامیاب ہوگی جو سو فیصد "فی سبیل اللہ" ہوگی

عمران خان کہیں نوجوانوں کے جذبہ اسلام کو انقلابی راہ دکھانے کی بجائے تحریک انصاف کی راہ پر لگا کر ٹھنڈا نہ کر دیں !

اقوام متحدہ کے سابق مشیر اعلیٰ اور تحریک اتحاد کے حلقہ پنجاب کے سابق صدر جناب کے ایم اعظم کا جاری کردہ ۱۱ مئی کا پریس ریلیز

ملازمت کے دوران میں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر یہ قسم اٹھائی تھی کہ ریٹائرمنٹ کے بعد اگر کبھی مجھے سیاسی کام کرنے کا موقعہ ملا تو میں وہ کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور رسالت ماب ﷺ کی خوشنودی کے لئے کروں گا۔ اور اس میں میری کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہوگی۔ ویسے بھی میرا یہ یقین ہے کہ کوئی بھی اسلامی تحریک تبھی کامیاب ہوگی جب کہ یہ سو فیصد فی سبیل اللہ ہو۔ میں نے اس فلسفہ کو اپنے ایک کتابچہ "پاکستان کی اسلامی تعمیر نو اور اس کو بچانے کا عہد" میں پوری طرح بیان کیا ہے۔ چنانچہ جب جناب جنرل (ر) حمید گل نے مجھے اپنی مجوزہ "تحریک اتحاد" میں شمولیت کی دعوت دی تو میں نے اسے اپنے خوابوں کی تعبیر سمجھ کر بخوشی قبول کر لیا۔ یہ "تحریک اتحاد" ۲۱ مئی ۱۹۹۵ء کو معرض وجود میں آئی۔

میں اور میرے معاونین کو جب یہ احساس ہوا کہ جنرل (ر) حمید گل صاحب کی سیاسی ٹریننگ کا مرکز جناب عمران خان ہیں تو ہم نے یہ کوشش شروع کر دی کہ جنرل صاحب بذات خود ایک انقلابی اسلامی تحریک کی قیادت کریں۔ ہماری نگاہوں میں صرف جنرل حمید گل ہی ایک خالص انقلابی تحریک کی قیادت کے اہل تھے کیونکہ جہاد افغانستان کی نسبت سے ان کی ایک اپنی پہچان تھی اور ہمارے دلوں سے یہ آواز بار بار اٹھ رہی تھی کہ جنرل صاحب کی صالح قیادت میں ہم اپنے جذبہ ایمانی، تعلق باللہ اور جوش عمل سے اس وطن عزیز کی بگڑی ہوئی تقدیر کو بدل دیں گے اور جلد ہی اس دور کے فرعونوں، ہامانوں، قارونوں اور آزروں کو وہ نتائج دکھا دیں گے کہ جن سے وہ خوف زدہ ہیں۔ گو ہم نے جنرل صاحب کو کچھ حقائق بھی مہیا کئے کہ جن سے یہ پتہ چلتا تھا کہ جناب عمران خان کا ارادہ جنرل صاحب کا ساتھ نبھانے کا نہیں ہے مگر اس کے باوجود جنرل صاحب عمران خان ہی کے راگ الاپتے رہے۔ میرے لئے یہ معاملہ خاص طور پر پریشان کن تھا کہ کچھ حقائق یہ بھی بتا رہے تھے کہ عمران خان وہ نہیں ہیں جیسا کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کر رہے ہیں اور قوم ان پر اعتماد کر کے پہلے تین مسیحاؤں کے دور کی طرح ایک بار پھر پریشان حال نہ ہو۔

بہرحال ہماری اس مسلسل تلقین کے باوجود جنرل صاحب ہمیں صبر کے ساتھ جناب عمران خان کے انتظار کا مشورہ دیتے رہے اور میں دل سوختہ کے ساتھ یہ دیکھتا رہا کہ جنرل صاحب کیسے ایک سنہری موقعہ کے بعد دوسرے سنہری موقعہ کو ضائع کر رہے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر جنرل صاحب پیہم کوشش کرتے رہے تو وہ اسلامی جماعتوں کا اتحاد بنانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے پریشان کن طریق کار کی وجہ سے میں نے اپنا استعفیٰ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو لکھا مگر اپنے معاونین کے اصرار پر پیش نہ کیا۔ بالآخر جیسا کہ ہمارا اندازہ تھا، عمران خان نے جنرل صاحب کو اپنے ساتھ لے کر چلنے سے انکار کر دیا اور بادل نخواستہ جنرل صاحب کو شروع مارچ ۱۹۹۶ء میں تحریک اتحاد کو لپیٹنا پڑا۔ گو اب وہ پھر اس کو دوبارہ چلانے کی بات کر رہے ہیں۔

محترم جنرل (ر) حمید گل کے بدلتے ہوئے ارادوں اور بیانات کی وجہ سے لوگ اب یہ شک کرنے لگے ہیں کہ شاید جنرل صاحب کے ذمہ یہی کام لگایا گیا ہو کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب جڑ پکڑنے نہ پائے اور یہی کام اب ان کے چنے ہوئے لیڈر عمران خان کریں گے کہ نوجوانوں کو اپنی تحریک انصاف میں شامل کر کے ان کے بھڑکتے ہوئے اسلامی جذبات کو آہستہ آہستہ ٹھنڈا کر دیں۔ میری تو یہ دعا ہے کہ لوگوں کے یہ شکوک و شبہات غلط ثابت ہوں۔ بہرحال یہ بات بھی اب واضح ہو گئی ہے کہ نہ ہی تحریک اتحاد میں اور نہ ہی اس کے لیڈر میں ایک انقلابی اسلامی تحریک چلانے کی سکت ہے۔ انقلاب اسلامی کے داعی اور کارکن تو وہ لوگ ہی ہو سکتے ہیں جو توحید اور اتباع رسول ﷺ میں اولوالعزم ہوں اور جن کی زندگیاں کم از کم جہاد بالقلم اور جہاد باللسان کے لئے وقف ہوں۔ جن کا جزبہ ایمانی اقدار اور افکار کی حدود سے گزر کر کردار کا حصہ بن گیا ہو اور وہ ایسے رجال ہوں جو دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں، خوف اور محبت پر توحید الٰہی کی ضرب کاری لگا چکے ہوں اور ان کی تیغ برہنہ کے پیچھے جذبہ ایمانی، فراست دینی، تعلق باللہ، حب رسول ﷺ، بلندی فکر اور جوش عمل کا ایک حسین امتزاج ہو۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر میں خائف ہوں کہ میرا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد وفا ٹوٹ نہ جائے اور اس کے باعث میرے والد محترم چوہدری نیاز علی خاں مرحوم کی ذات گرامی پر کوئی حرف نہ آئے جو مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال ؒ کے دوست اور برصغیر ہند و پاکستان میں تحریک اسلامی کے مربی اور محسن تھے۔ ان خدشات کے پیش نظر میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے ماسوائے اس کے کہ میں تحریک اتحاد یا اس کی تشکیل جدید اور جناب جنرل حمید گل صاحب کے مستقبل کے منصوبوں سے مستقل کنارہ کشی کا اعلان کر دوں۔OO